علوم و معارف قرآنی پر پاکستان کا پہلا مجلّہ

وانزلنا معھم الکتاب و

اسلام آباد

المیزان

۵

لیقوم الناس بالقسط

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی استقبال شہر رمضان

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ قَدْ أَقْبَلَ إِلَيْكُم شَهْرُ اللهِ بِالْبَرَكَةِ وَ الرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ ' شَهرٌ هو عِنْدَاللهِ أَفْضَلُ الشُّهُوْرِ وَ أَيَّامُهُ أَفْضَلُ الايامِ وَ لَيَالِيهِ أَفْضَلُ اللَّيالى و ساعَاتُهُ أَفْضَلُ الساعات وَ هُوَ شَهرٌ دُعِيتُم فِيْهِ إِلى ضيافة الله فَانَّ الشَّقِيَّ مَنْ حَرُمَ غُفْرَانَ اللهِ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ الْعَظِيْم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ شعبانیہ میں ماہ مبارک رمضان کی فضیلت کے متعلق ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ کا مہینہ (ماہ رمضان) اپنی برکتوں' رحمتوں اور مغفرتوں کے ساتھ تمہاری طرف آرہا ہے' یہ ایسا مہینہ ہے کہ جو اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے' اس کے دن سب سے افضل دن ہیں' اس کی راتیں' تمام راتوں سے افضل راتیں ہیں۔ اس کے لحات تمام لحات سے افضل لحات ہیں' یہ ایسا مہینہ ہے جس میں آپ کو ضیافت الٰہی کی دعوت دی گئی ہے۔ بد بخت ہے وہ شخص جو اس عظیم مہینے میں اللہ تعالٰی کی مغفرت سے محروم رہے۔ (عیون اخبار الرضا)

الله
بسم الله الرحمن الرحيم

اخوت ٹرسٹ کے زیر اہتمام

علوم و معارف قرآنی پر پاکستان کا پہلا مجلّہ

المیزان

مجلس مشاورت

پروفیسر ابو مسعود حسن علوی
ڈاکٹر انیس احمد
ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک
علامہ محسن علی نجفی
ڈاکٹر محمد طفیل
ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

رجسٹریشن نمبر ID 201

سرورق
ظہیر الحسن
کمپوزنگ
ظہیر الحسن۔ حیدر بخاری
واجد دلاور

مدیر اعلیٰ
محمد امین شہیدی
مدیر
سید فدا حسین بخاری
معاونین
ڈاکٹر وقار حسین
علی عباس
مینیجر پبلیکیشنز
شوکت علی

زر تعاون

ایران	1000 تومان	عمان	11 امریکی ڈالر	قطر	13 امریکی ڈالر
بھارت	500 روپے	عرب امارات	13 امریکی ڈالر	کویت	13 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش	500 ٹکے	سعودی عرب	13 امریکی ڈالر	افریقہ	17 امریکی ڈالر
برطانیہ	17 امریکی ڈالر	امریکہ	17 امریکی ڈالر	کینیڈا	17 امریکی ڈالر

خریداری کے لیے

سالانہ زر تعاون 120 روپے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیج کر آپ پوسٹ بکس 137 اسلام آباد یا اخوت ٹرسٹ 4-A اے ڈی ایس سینٹر فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد سے رسالہ منگوا سکتے ہیں

قیمت فی شمارہ -/35 روپے   سالانہ ممبر شپ -/120 روپے

ناشر : اعجاز حسین شاہ   مطبع : شجاع سنز آبپارہ   مقام اشاعت : I-10/2 - 944 اسلام آباد

رابطہ : P.O.Box 137 اسلام آباد فون : 815457 / 201340 فیکس : 201159

E. Mail : ukhuwat@yahoo.com

المیزان کے گذشتہ شماروں کے مضامین کی فہرست ملاحظہ کرنے کے لئے انٹرنیٹ ویب سائٹ دیکھیں۔

www.asiapak.net/ukhuwat

ادارے کا مقالہ نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ اداریہ — ۱

علوم و معارف قرآن

☆ سورہ لقمان کے اہم موضوعات — ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک — ۳
☆ قرآن میں نقطے اور حرکات — ڈاکٹر محمود رامیار — ۱۰
☆ قرآن اور فطری معرفت — استاد علی ربانی گلپایگانی — ۲۲
☆ قرآن اور سائنس — علامہ شیخ محسن علی نجفی — ۴۰
☆ اعجاز قرآن کے مختلف پہلو — حسنین عباس گردیزی — ۵۳
☆ آیۂ نَفر تحقیق کے آئینے میں — علی نصیری — ۶۶
☆ قراء سبعۃ اور سبعۃ احرف — علامہ علی نقی — ۷۵
☆ قرآن کتاب ہدایت — تصور جوادی — ۷۷

تعارف تفسیر

☆ تفسیر تدبر القرآن — حافظ محمد سجاد تترالوی — ۸۲

خدام القرآن

☆ فرزند قرآن "استاد مطہری" — ثاقب اکبر — ۹۳

قرآنی ادارے

☆ ادارہ علوم قرآن — سید فدا حسین بخاری — ۱۱۰

قرآن اور کمپیوٹر

☆ انٹرنیٹ پر تجوید القرآن — سید امتیاز علی — ۱۱۳
☆ فہرست مقالات — مدیر — ۱۱۸
☆ قارئین کے خطوط — ۱۲۱
☆ The Qur'an and the culture of knowledge — Prof. Dr. Anis Ahmed.

افتتاح کلام

قرآن کریم عالم بشریت کی ہدایت کا ضامن ہے کیونکہ یہ وہ نور ہے جو منبع نور کی جانب سے عالم ظلمانی کی تاریکیوں کو ہدایت کی روشنی میں بدلنے کے لیے رمضان المبارک کے عظیم اور بابرکت مہینے میں نازل ہوا۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم انسان کی مادی اور معنوی دونوں طرح کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ انسان فطری طور پر کسی عقیدے کو اپنانے پر مجبور ہے بغیر مذہب اور عقیدہ کے انسان کا جینا محال ہے لیکن فطری اور عقلی پیاس کو قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب بجھا نہیں سکتی اس لیے کہ ہر دوسری کتاب چاہے وہ آسمان سے منسوب ہی کیوں نہ ہو زمین والوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہی لہٰذا عابد و معبود کے مابین تعلق اور رابطے کا مضبوط ترین راستہ یہ آسمانی الہامی کتاب ہے۔ جب یہ بات طے ہے کہ آسمان اور زمین والوں کے مابین' اللہ اور بندہ کے درمیان محبوب ازلی اور محب میں رشتہ اور تعلق جوڑنے کا بہترین ذریعہ یہی صحیفہ آسمانی ہے اور اسی کے ذریعے سے بندہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خطاؤں کے باوجود رب الارباب کی رحمت بے کراں میں غوطہ ور ہو سکتا ہے اور اپنی روح پر پڑے ہوئے گناہوں اور آلودگیوں کے زنگ کو دھو سکتا ہے تو ضرورت ہے کہ اس صحیفہ آسمانی کی تعلیمات' احکامات اور معارف کو انسانی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے اور روز حشر نبی کریمؐ کی اس شکایت کا مصداق بننے سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"

اے میرے رب! میری اس قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

ارض پاک یعنی پاکستان کو اسلامی مملکت کو اسم بامسمیٰ ہونا چاہیے تھا جس کے لیے ضروری تھا کہ قرآن معاشرے کی رگ و پے میں سرایت کرے اور ہمیں اپنے چاروں طرف قرآن کی تعالیم پر عمل ہوتا نظر آئے' اور لوگ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر معاشرے میں دیکھیں لیکن اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ اگرچہ اب بھی ایسے خواب دیکھنے کا وقت ختم نہیں ہوا' کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ خواب دیکھے

جائیں تو تبھی تعبیر بھی ملتی ہے' یہ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر حکومتی سرپرستی' علمائے اسلام کی انتھک جدوجہد' اسلامی تنظیموں کی اجتماعی کوشش' علمی اور تحقیقاتی اداروں کی مسلسل محنت اور اہل تحقیق و مؤلفین کی عرق ریزی کے بغیر دیکھنا ممکن نہیں۔ اسلام اور قرآن کے نام پر منصہ شہود پر آنے والی مملکت خداداد کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ اس ملک میں موجود وسائل کو اسلام کی ترجمانی' امت مسلمہ کی بیداری' مسلمانوں میں وحدت و اخوت کے فروغ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کرنے کی بجائے مغربی ثقافت کے فروغ' لسانیت' قومیت اور فرقہ واریت کو ہوا دینے اور عوام کو آپس میں لڑا کر مفاد پرستوں کو جیبیں بھرنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بروئے کار لایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی نظریاتی بنیادوں کی طرف لوگوں کی توجہ کم سے کمتر ہوتی چلی گئی اور جغرافیائی و لسانی فاصلے زیادہ سے زیادہ ہوتے گئے لہٰذا سچا پاکستانی اور مسلمان کوئی نہ رہا جبکہ علاقائی پہچان اور شناخت ہی اس مظلوم قوم کا خاصہ بن گئی۔ کسی قوم اور ملک کی بقا اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی نظریاتی اساس مستحکم ہو اور اس کی نظریاتی پہچان ہی اس کی شناخت ہو' من حیث القوم مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کریم ہماری مشترکہ دینی' عقیدتی' قومی' ثقافتی اور نظریاتی اساس ہے جس کی طرف پلٹنے سے ہماری اکثر مشکلات ختم ہو سکتی ہیں اور ہماری قوم ایک سرخ رو قوم بن کر ابھر سکتی ہے۔

لہٰذا اسلام اور پاکستان کے نام لیوا تمام لوگوں کی حسب استطاعت ذمہ داری ہے کہ قرآن کریم کی روح پرور تعلیمات کے احیاء کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں اور "تعاونوا علی البر والتقوٰی" کے مطابق اس کار خیر میں تنازعہ کیے بغیر حصہ لیں اور ایسی صورت میں ان تعالیم کو پیش کریں جو عقل و منطق کے مطابق ہو اور ہر فرقہ اور ہر انسان اس سے استفادہ کر سکے۔

مجلّہ "المیزان" کی بنیاد اسی نیت خیر کے ساتھ رکھی گئی ہے اور یہ اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے ایک چھوٹی سی کوشش کے مترادف ہے۔ اب جبکہ یہ رسالہ اپنی عمر کا ایک سال طے کر چکا ہے ضرورت ہے کہ اس میں متنوع موضوعات اور عناوین پر اہل تحقیق قلم فرسائی کریں اور قرآن کے اسرار و رموز سے پردے اٹھائیں تاکہ طالبان علم' معارف قرآن سے علمی تشنگی بجھا سکیں۔ المیزان کے صفحات ایسی تمام تحقیقی تحریروں کے لیے حاضر ہیں۔

والسلام

محمد امین شہیدی

سورہ لقمان کے اہم موضوعات

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

اس سورہ مبارکہ میں توحید کی سچائی اور معقولیت، شرک کی نامعقولیت و لغویت کے ذکر کے بعد آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے روکا گیا ہے اور ان تعلیمات پر غور و تدبر کی دعوت دی گئی ہے جو رسول کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں قدیم فلسفی سیدنا لقمان کے اقوال کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ گذشتہ واقعات اور ضرب الامثال بات کی وضاحت میں مفید کردار ادا کرتے ہیں اور اس دور میں حضرت لقمان کی حکمت و دانش کا ذکر اس دور کے شعراء و خطباء کے ہاں مروج بھی تھا۔ اخلاقیات کے ضمن میں اقامت صلوٰۃ زکوٰۃ کی ادائیگی، امربالمعروف و نہی عن المنکر، شکر، اعمال صالحہ اور اطاعت والدین کا ذکر ہے جبکہ تکبر، شرک، کفر، گمراہی اور دین کے استہزاء سے رکنے کی تلقین کی گئی ہے۔

الٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

الف، لام، میم۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکو کاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو نماز کی پابندی کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔ (سورہ لقمان۔ ۱۔۵)

نیکو کار کون؟

سورہ کا آغاز قرآن مجید کی عظمت اور ثمرات کے ذکر کے ساتھ ہے کہ یہ کتاب صرف نیکو کاروں

کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس مقام پر ایک وضاحت ضروری ہے کہ نیکو کار کون ہیں عام خیال یہ ہے کہ نیکو کار ایک مافوق الفطرت قسم کا انسان ہوتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا حالانکہ نیکو کار سے مراد وہ شخص ہے کہ جو نیکی کے کاموں کا عزم کرلے اور اس کے مختلف درجات ہیں۔

۱۔ ایک کافر کی نیکی یہ ہے کہ وہ ہدایت کی تلاش میں نکل کھڑا ہو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

۲۔ ایمان کی قبولیت کے بعد نیکی یہ ہے کہ آدمی ارکان اسلام پر کاربند ہو جائے۔

۳۔ اور پھر ہر لحہ سنت و مستحبات کا اہتمام اس انداز سے کرے کہ اس کی اپنی شخصیت و ذات فنا ہو جائے اور وہ خالق کے احکام اور سنت نبوی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ نظر آئے۔

عام طور پر ہم نیکو کار کے آخری معنی کو لے لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ نیکو کار کو مزید کیا ہدایت ملے گی؟ یہ بات اس انداز سے درست نہیں۔ اس لئے قرآن مجید ہر انسان کے لئے وہ چاہے جس درجہ اور جس مقام پر بھی ہے ہدایت اور رحمت ہے' بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی طلب پیدا ہو جائے اور پھر یہی طلب کامیابی کی تمام منازل سے ہمکنار کر دے گی۔

بد کرداری کے علمبردار

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس طلب رحمت کے جذبہ کو ختم کرنے یا کم از کم بہکانے کے لئے مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ حکایات (و آلات) خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کی جہالت کے سبب اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اس سے استہزاء کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا اور جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ گویا ان کو اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں بوجھ ہو۔ ان کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ (سورہ لقمان ۶۔۷)

اس میں وہ سارے لوگ شامل ہیں جو ایسے آلات بناتے' خریدتے اور استعمال کرتے ہیں جن کے باعث انسان کو گمراہی کے راستوں پر دھکیلا جا سکے۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین و محدثین نے آلات مزامیر (گانے بجانے کے آلات) اور ان حکایات اور کہاوتوں کو شمار کیا ہے جن کی لذت و سرور میں عام انسان بہہ جاتا اور احکام الٰہی سے دور ہو جاتا ہے' اس قسم کے لوگوں کے لئے دو قسم کے عذاب

کا ذکر ہوا ہے۔

۱۔ ذلیل کرنے والا عذاب ۲۔ درد ناک عذاب

اور آج ہماری اکثریت اسی گمراہی و ضلالت کی راہ پر چلتی ہوئی اپنے عبرت ناک انجام کو قریب کر رہی ہے۔

اثبات توحید اور لقمان

اس ذکر کے بعد توحید کے اثبات اور شرک کی تردید پر دلائل ہیں اور پھر سیدنا لقمان کی نصیحتیں ہیں۔ یہ لقمان کون تھے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے دور میں یہ حبشی غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و دانش سے نوازا تھا۔ یہاں ان کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَيْكَ ط اِلَیَّ الْمَصِيْرُ ○ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ج ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ يٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے' اور ہم نے اس کو یہ تاکید کی کہ میرا شکر بجا لا اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن والدین اگر تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر' مگر پیروی

اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو اور لقمان نے کہا کہ بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو' اللہ اسے نکال لائے گا' وہ باخبر ہے۔ بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے' بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے' اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے' لوگوں سے منہ پھلا کر بات نہ کر' نہ زمین پر اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود غرض اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ اور سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔ (لقمان ۱۳۔۱۹)

یہ لقمان کی نصیحتیں ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی ہیں۔ اس میں شرک سے روکنا اور توحید کی طرف بلانا ہے۔ اس کے فوراً بعد والدین کے حقوق اور ان سے نرمی کا حکم ہے اور فرمایا ہے کہ خدا نا خواستہ وہ تجھے دین حق سے ہٹائیں تو دنیوی معاملے میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو لیکن پیروی ان کی بجائے اللہ والوں کی کرو اور فرمایا کہ تم جیسے بھی اعمال کرو گے جہاں کہیں بھی کرو گے وہ اعمال آسمانوں میں ہوں' زمین میں ہوں یا کسی چٹان میں ہوں' وہ نہ اللہ تعالیٰ سے چھپے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ انہیں بھولے گا' وہ انہیں نکال کر لے آئے گا۔

نماز' امر بالمعروف' نہی عن المنکر' صبر اور اخلاق حسنہ کی تلقین کی کہ لوگوں کے ساتھ بات کریں تو اس طرح سے نہیں کہ اس میں تکبر کا پہلو ہو۔

بات اتنی سی ہے اے واعظ افلاک نشیں
کیا ملے گا اسے یزداں جسے انسان نہ ملا

توحید اور روایت پرست جاہلوں کا کردار

ان نصیحتوں کے بعد پھر مسئلہ توحید کی عظمت کو اجاگر کیا اور روایت پرست اہلوں کی ایک بات بیان فرمائی

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی' اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی؟) (لقمان ۲۱)

کفار کسی بھی دور کے ہوں' وہ تعلیمات حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی بات کہتے ہیں کہ ہم ان روایات اور قدروں کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمارے باپ دادا کی ہیں' ان کو سمجھایا گیا کہ غور کرو کہ اگر تمہارے باپ دادا کو شیطان نے بہکا رکھا ہو اور وہ دوزخ کے عذاب کی جانب بڑھ رہے ہوں اور تمہیں اس بات کا پتہ چل جائے تو پھر کیا کرو گے؟

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی چھوڑ خضر کا' دریا بھی چھوڑ دے

نیکو کاروں کا انجام

اس کے بعد راہ حق کو اپنانے والوں کا انجام مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

اور جس شخص نے اپنا آپ اللہ کے حوالے کر کر دیا اور نیکو کار بھی رہا تو اس نے مضبوط دستاویز ہاتھ میں لے لی۔ (لقمان ۲۲)

گویا نجات کا راستہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مضبوط دلائل والی کتاب پر گامزن ہو جاؤ۔ اور بایں ہمہ اگر کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری کے نمونے ہیں' مگر عبادت میں شرک کرتے اور گمراہی اپناتے ہیں۔

صفات الٰہیہ کا لامتناہی ہونا

پھر بتایا کہ زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق کی تخلیق اللہ کے ہاں اس قدر ہی ہے جیسے ایک انسان کا پیدا کرنا۔

ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تو اس سے بھی برتر ہے' تو اس سے بھی اعلیٰ ہے

وہ قادر مطلق ہے اس نے رات' دن' سورج' چاند' کشتی' دریا' سمندر بھی کچھ ہمارے تابع کر دیا ہے تاکہ ہم ان سے فائدہ حاصل کریں۔ لیکن انسان ناشکرا اور ناقدرا ہے۔ وہ جب مصائب و مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے اور جب نجات مل جاتی ہے تو پھر بہک جاتا ہے۔

برائی سے بچنے کے لئے ڈھال

ان حقائق کے اظہار کے بعد انسان کو ایک ایسی بات کہی جو انسان کو گمراہی و ضلالت سے بچنے میں حد درجہ معاونت بہم پہنچاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○

لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو اور ڈرو اس دن سے جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہو گا۔ فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے۔ (لقمان۔ ۳۳)

دھوکہ باز سے مراد انسان کا کھلا دشمن یعنی شیطان ہے جو انسان کو بے بنیاد امیدیں فراہم کر کے عمل اور جد و جہد سے غافل کر دیتا ہے۔ ایک خطرناک دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں حضرت کی ارادت کام آئے گی' وہ آخرت میں دستگیری فرمائیں گے اور حساب و کتاب کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے۔ آیت مذکورہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے اور بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آ سکے گا' ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہو گا' ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔

ایسی صورت حال میں بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی کے آنے کی مجال نہیں۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تن تنہا خود جواب دہ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حل ہے کہ ہر شخص الگ الگ خود اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ سیدھا کر لے اور اپنے رب کے غضب سے ڈر کر رہے۔

قیامت

قیامت کے بارے میں فرمایا کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کا بدلہ نہیں بنے گا۔ کسی کے عمل کی سزا کوئی اور شخص نہیں اٹھائے گا۔ کسی شخص کا عمل کسی دوسرے شخص کے عمل کے لئے' گناہ کے لئے' کفارہ نہیں بنے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہو گا اور تنہا اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔ یہاں عیسائیت کا وہ مشہور عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر لٹک کر خود جان دے دی اور سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا' غلط ثابت کیا گیا ہے۔

اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہاں کے غلط عقائد تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں۔ یہ غلط گھڑنے والا شیطان ہے جو دھوکے باز ہے اور تمہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے کہ میرے گناہوں کا کفارہ یا کسی کی سفارش یا کسی کا آستانہ میرے کام آ جائے گا۔ یقین کر لیجئے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا' صرف اپنے عمل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کام آئے گی۔

اس سورہ کی آخری آیت میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ۝

بلا شبہ اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلا شبہ اللہ سب باتوں کو جاننے والا با خبر ہے۔

(لقمان ۳۴)

۱۔ قیامت

۲۔ بارش کا اترنا۔ یہاں یہ اعتراض ممکن ہے کہ محکمہ موسمیات والے پیش گوئیاں کرتے ہیں تو یاد رکھیے کہ بارش کے نازل ہونے کے ذکر میں صرف بارش کے نزول کی پیش گوئی نہیں بلکہ بارش کی مقدار، مقام، وقت بارش کے پانی کے فوائد و نقصانات اور اس کے اثرات بھی کچھ مراد ہیں۔

۳۔ حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس سلسلے میں بھی الٹرا ساؤنڈ (Ulterasound) ایک جدید طبی آلہ ہے جس سے جنین کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اس حاملہ سے پیدا ہونے والا نر ہے یا مادہ، زندہ رہے گا یا نہیں۔ کتنی زندگی پائے گا، کیا عمل کرے گا؟ کیا کمائے گا اور کیا کھائے گا۔ اس کا نزول و قیام کتنا، کہاں کیسے اور کب ہو گا وغیرہ۔ یہ سبھی چیزیں مراد ہیں۔

۴۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ ہر متنفس کے آئندہ دن اور زندگی کے معمولات کیا ہوں گے؟ گو کہ ہم پروگرام مرتب کرتے ہیں مگر وہ پروگرام اکثر خراب بھی تو ہو جاتے ہیں گویا ہم اپنے پروگرام حتمی طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ اسی لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عرفت ربی بفسخ العزائم میں نے عزائم کے پورا نہ ہو سکنے سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔

یعنی ہم نے پروگرام بھی ٹھیک ٹھاک بنایا تھا۔ عزم بھی پختہ تھا۔ اسباب بھی فراہم کر لئے تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہوتے مگر عملاً" یہ دیکھا کہ کسی غیبی طاقت نے سارا کھیل بگاڑ دیا، اسباب بے وقعت ہو کر رہ گئے، پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا اور عزم پورا نہ ہوا۔ یہ غیبی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

۵۔ کسی متنفس کی موت کہاں آئے گی؟ اس کا علم حاصل کرنے میں تو انسان بالکل ہی عاجز ہے۔

***

قرآن میں نقطے اور حرکات

ڈاکٹر محمود رامیاد

صحابہ کرام ؓ مصحف کریم کو کس طرح لکھتے تھے؟ مشہور بات ہے کہ ان کی تحریر نقطے اور ہر طرح کی علامت سے خالی تھی۔ اس میں نہ نقطہ تھا' نہ زیر زبر یا پیش ---- اور اس سے بڑھ کر الفاظ میں حروف علت (الف' واؤ' یاء) بھی نہیں لکھے گئے کہ اس کی کچھ مثالیں یہاں دیکھی جا سکتی ہیں:

''قل'' کے معنی کہو اور ''قال'' کے معنی ہیں کہا یہ دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا تھا۔ طب کی قرات' طاب کے ساتھ ہوتی۔ ''کتب'' اسم و فعل' مفرد و جمع' معلوم و مجہول میں مشترک تھی۔ وہ ''مسلمات'' کو ''مسلمت'' اور ''کافرون'' کو ''کفرن'' لکھتے۔ ''رجل'' ایک مرد کے معنی میں بھی اور ''رجال'' یعنی کئی مرد کے طور پر بھی پڑھا جاتا۔ مزید یہ کہ اس خط میں نقطے نہیں تھے' نتیجہ یہ کہ اس کا پڑھنا زیادہ مشکل اور پیچیدہ تھا۔

غور کیا جائے تو کم زبانیں ہوں گی جن کا عربی کی مانند صحیح پڑھنا' بولنا اور سمجھنا اعراب سے وابستہ ہے۔ عربی میں اگر ایک زیر یا زبر میں غلطی ہو جائے (جیسا کہ ابوالاسود کی داستان میں آئے گا) تو ایک جملے کے معنی الٹ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اور یہی ایک زیر یا زبر کفر اور ایمان کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے۔

سالہا سال تک قرآن ہاتھوں ہاتھوں آگے بڑھتا رہا اور سرمایہ زبان و اطمینان اور مسلمانوں کے دلوں کا مونس بنا رہا۔ اس کے باوجود کہ اس میں نقطے یا زیر و زبر موجود نہیں تھے' عربوں کو ان کے دو بنیادی اور حقیقی اوصاف نے اس سے مشکل سے چھٹکارا دیا۔ ایک ان کا ذوق سلیم اور دوسرا ان کا قوی حافظہ تھا۔

غیروں سے راہ و رسم بڑھانے سے پہلے ان کی یہ دونوں صفات ان کو غلطیوں سے دور رکھتی تھیں۔ بدوی عرب فصیح زبان میں کلام کرتا اور اس کو شعر و خطابت سے انس اور الفت تھی۔ وہ اپنے تمام وجود سے قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا ادراک کرتا' قرآن کی ہر آیت کی تلاوت اس کے دل پر نقش اور اس کے ذہن پر اثر انداز ہوتی۔ وہ دل و جان سے کلام الٰہی کا شیفتہ اور دلدادہ تھا اور اس پر سچائی سے ایمان رکھتا تھا۔ یہ "امی" لوگ تھے جو زندگی کی ہر چیز کو اپنے حافظے کے سپرد کرتے اور اسی سے واپس حاصل کرتے۔ لکھا ہوا قرآن ان کے لئے یاد دہانی اور ذکر کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ اس کے لفظ لفظ سے مانوس تھے' اس کا حرف حرف پہچانتے تھے اور کوئی شب ایسی نہ گذرتی کہ ایک مسلمان اس کا کچھ حصہ نہ پڑھتا ہو۔ نیز کوئی دن نہ گذرتا کہ جس میں مسلمان کلام خدا سے کچھ آیات زبان پر نہ لاتے ہوں۔ پھر تلاوت حفظ اور آیات قرآنی سے تمسک کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ بعض لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو کو بھی آیات قرآن سے زینت بخشتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنا مدعا و مطلب آسمانی آیات کے ذریعے بیان کرتے۔

اس لئے شروع میں نقطوں اور زیر و زبر کی ضرورت کا کوئی خاص احساس نہیں ہوا۔ زبان پر ان کی گرفت اور اس پر کامل احاطہ اس کا سبب بنا کر صدیوں بعد آج بھی ایسے علماء ہیں جو زیر و زبر کی مدد سے تلاوت کو اپنی اہانت سمجھتے ہیں اور بجز خاص مواقع کے اس سے استفادہ نہیں کرتے۔

مگر دنیائے اسلام صرف عرب تک محدود نہیں رہی کیونکہ مختلف ملتوں اور قوموں کے لوگ اور آزادی و خدا شناسی کے دلدادہ انسان گروہ در گروہ اس طرف آتے گئے۔ اسلام کے آغاز سے ہی ایرانی و قبطی' ارمنی و آرامی' ترک و تاجک اس سرچشمہ فیض اور سعادت کے ازلی منبع کی طرف رخ کرنے لگے۔ یہ عرب نہیں تھے بلکہ غیر یعنی عجم شمار ہوتے تھے۔ ممکن ہے عربی زبان سے قطعی آشنا نہ ہوں اور ساری عمر عربی کا ایک لفظ بھی نہ سنا ہو۔ مگر قرآن' نماز اور دعائیں پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے تھے اور ان کے لئے ضروری تھا کہ قرآن پڑھنا سیکھیں۔ اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ غیر عرب کیلئے یہ کام کس قدر محنت طلب تھا۔ وہ بھی نامانوس رسم الخط اور بغیر نقطوں اور زیر و زبر کے!

یہی وجہ تھی کہ پڑھنے میں لغزش کا امکان بہت تھا اور غلطیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اب کیا معلوم کہ یہ لغزشیں شروع ہی سے ہوں کہ جن کو حضرت عثمانؓ نے 'لحن' سے تعبیر کیا اور کہا "جو لحن اس میں موجود ہے اس کی عرب خود ہی اصلاح کر لیں گے" اس بات کو حضرت عمر سے بھی منسوب کیا گیا ہے یا پھر بی بی عائشہؓ سے جو اس کو کاتبوں کی غلطی شمار کرتی ہیں۔ (۱)

اسلام کے حیرت انگیز طور سے چار اطراف میں پھیلنے سے اس بات میں زیادہ مسائل پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک عرب اور عجم کی آمیزش تھی جس کے نتیجے میں عربی زبان میں کمی بیشی کے امکانات پیدا ہوئے اور فصحائے عرب کی زبان میں بھی لغزش اور لحن کی صورت پیدا ہو گئی۔

جو لوگ اپنی زبان کی رسائی اور گویائی کے سخت پابند تھے ان کے لئے تلفظ اور گفتگو میں لغزش ایسا گناہ شمار ہوتا جو بخشا نہ جائے۔ پھر اگر ایسی لغزش خدائی اور آسمانی کلام میں ہو تو یہ ناقابل معافی گناہ سمجھا جاتا تھا اور یہ بات اپنے سارے مضمرات کے ساتھ عیاں تھی۔

غیر لوگ جو اس زبان اور خط سے ناآشنا تھے۔ وہ عربی زبان کی طرف آئے وہ اس کا سبب بنے اور مجبوری لغزش سے دوچار ہوئے۔ مزید بر آں خود عربوں کے مختلف قبائل مختلف لہجے اور تلفظ کے حامل تھے اور وہ ایک دوسرے سے بہت اختلاف رکھتے تھے۔ چنانچہ مختلف نوعیت کے اختلافات ساتھ ساتھ چلتے رہے اور جیسا کہ کہا گیا "ملاحن اور تصحیفات" درپیش ہوئیں۔

ابو احمد عسکری نے کہا۔ قرآن کو چالیس سال سے کچھ اوپر (عبدالملک کی خلافت تک) مصحف عثمانؓ سے پڑھتے رہے۔ اس دوران بہت سی تصحیفات (لکھنے پڑھنے میں غلطیاں) ہوئیں اور عراق میں پھیل گئیں۔ (۲) ممکن ہے اس سے مراد قرآن کے بعض الفاظ اور حروف میں قرائت کی لغزش اور اشکالات ہوں۔ بہر حال ان لغزشوں اور 'لحن' نے لوگوں کو اس کے متعلق چارہ جوئی کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ انہیں خیال آیا کہ قرآن میں حروف پر نقطے اور اعراب لگائیں تاکہ حروف اچھی طرح پہچانے جا سکیں اور اپنے جیسے دوسرے حروف سے مشتبہ نہ ہوں۔ نیز حروف کی حرکات بھی مقرر ہو جائے۔

اعجام اور نقطہ گزاری

اعجام باب افعال کا مصدر ہے اور عربی زبان میں باب افعال کے ایک معنی سلب یعنی فعل کی جڑ کو نکال لینے کے ہیں جیسے اعجمت الکلام "کسی کلام سے سکتے اور ابہام کو دور کرنا۔ چنانچہ حروف پر نقطے لگانے اور ان پر زیر زبر لگانے سے کلام کا ابہام اور سکتہ ختم ہو جاتا ہے' اس لئے اس کو "اعجام" کہا جاتا ہے۔

شروع میں اعجام صرف نقطے لگانے سے انجام پاتا تھا اور اصلاح میں نقطہ گزاری کے دو ترتیبی معنی ہیں۔

ا۔ مشابہ حروف میں امتیاز کرنے کے لئے نقطہ گزاری جیسے ب ت اور ث کے نقطے

۲۔ لفظ کی حرکات کی نشاندھی کے لئے نقطہ گزاری۔ جیسے فتحہ کی حرکت کی نشاندھی کے لئے ایک نقطہ اس کے اوپر اور کسرہ کے لئے ایک نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کے لئے حرف کے آگے یا درمیان میں لگا دیتے تھے۔

قدماء بعض اوقات ان دونوں طریقوں کو ایک ساتھ اختیار کرتے اور مدور نقطہ لگاتے تاکہ حرف کی حرکت اور اس کا نقطہ دونوں واضح ہو جائیں۔

حرکات اور اعراب میں امتیاز کے لئے بھی نقطہ گزاری دو قسم کی تھی۔

ا۔ مدور طریقے سے نقطہ گزاری۔ اس سے قاری اپنے مصاحف میں اکثر استفادہ کرتے اور مشہور ہے کہ ابوالاسود دوئلی نے اس کو وضع کیا تھا۔

۲۔ خاص شکل جس کو شکل شعر بھی کہا جاتا ہے' جیسے مختلف علامت کہ جنہیں تشدید' ہمزہ' ضمہ' فتحہ اور کسرہ کہتے ہیں اور پہلی بار خلیل بن احمد نے ان کو وضع کیا۔ مثلاً تشدید کی علامت (ّ) کو لفظ 'شدید' کے اول حرف سے لیا' ضمہ دراصل چھوٹا 'واو' ہے جو حرف کے اوپر لگایا جاتا ہے۔ جبکہ کسرہ چھوٹی 'ی' اور فتحہ چھوٹا 'الف' ہے جس کو حرف کے اوپر لگایا جاتا ہے۔

نحو و لغت کے علما اس ترتیب کو شعر اور لغات کے لئے استعمال کرتے' مگر قاریوں اور مصاحف کے نقطہ گزاروں نے اپنے سے پہلوں کی پیروی کرتے ہوئے قرآن کے لئے شروع میں اس سے استفادہ نہیں کیا۔

بے شک دونوں طریقوں سے مقصود ایک ہی جاتا تھا اور یہ دونوں صرف شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف تھے نقطہ گزاری مدور شکل میں تھی مگر جب ''شکل'' کہا جاتا تو اس میں ضم' فتح' ہمزہ اور شد بھی شامل ہوا کرتا تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ حروف میں امتیاز کرنے کے لئے کب سے نقطہ گزاری شروع کی گئی۔ یہ تو قدرتی بات ہے کہ ب' ی' ت' ث اور ج' ح' خ وغیرہ میں فرق کرنے کے لئے خود اہل زبان بھی کسی علامت کے محتاج تھے۔ ممکن ہے یہ علامات' حرکات کی علامات سے پہلے وجود میں آچکی ہوں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ مصاحف میں قرآن مجرد تھا۔ پہلی دفعہ 'ی' اور 'ت' کے حروف پر نقطے لگائے گئے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ اس کا نور ہے۔ بعد میں آیت کے آخر میں نقطہ لگایا گیا اور بالآخر فواتح اور خواتم کا تعین کیا گیا۔ (۳)

پہلی نقطہ گزاری

دوسرے بہت سے معاملات کی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ قرآن میں پہلی بار نقطہ گزاری کب کی گئی؟ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا! قرآن میں اعراب لگاؤ اور انکے غرائب کو فصیح کرو۔ آپؐ کے صحابہ کا یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے جو قرآن کو پڑھتا ہے اور اس میں اعراب لگاتا ہے اس کو شہید کا درجہ ملے گا یا پھر عبداللہ بن مسعود نے کہا! قرآن کو اچھی طرح رکھو' اس کو خوش الحانی سے پڑھو اور اس میں اعراب لگاؤ کہ وہ عربی ہے۔ (۴) یا قتادہ نے کہا قرآن میں پہلے نقطے لگاؤ اور پھر پانچ پانچ دس دس آیات میں علامت لگاؤ۔ (۵)

ان روایات سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ نقطہ گزاری اور پانچ آیات اور دس آیات کا تعین اولاً پیغمبرؐ کے صحابہ کہ زمانے میں ہوا کیونکہ قتادہ خود تابعی ہے اور اس کی بات ان ہی کے متعلق ہے۔ (۶)

ان ہی روایات کی سند سے خیال کیا گیا ہے کہ خود پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی اصحاب سے اعراب قرآن میں غلطی صادر ہوتی تھی اور اسی وجہ سے الفاظ پر اعراب لگانے کو کہا گیا تھا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ اگر روایت کی صحت فرض کی جائے تو جاننا چاہیے کہ اصحاب انوکھی باتوں (فہم غریب) کو اعراب کہتے تھے کیونکہ ان کے ذریعے وہ قرآن کے معنی کشف کرتے اور اشتباہ اور غلطی سے پیچھا چھڑا لیتے۔ (۷)

مکہ اور مدینہ کے لوگ اپنے اپنے طور سے نقطہ گزاری کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے یہ روش ترک کر دی اور اہل بصرہ (ابوالاسود) کے طریقے کی پیروی کرنے لگے۔ (۸) چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں کم سے کم یہ طریقہ پہلے رائج نہیں تھا۔

وہ لوگ جنہوں نے پہلے پہل اس کام میں پیش رفت کی اور قرآن میں اعراب لگائے۔ روایات کے مطابق وہ چار اشخاص ہیں :

ابوالاسود دؤلی' یحییٰ بن یعمر' نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری (۹)

مگر حسن بصری (۱۰) کو اس کام کے آغاز کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ اس کام سے ان کو کراہت تھی۔ (۱۱) ممکن ہے بعد میں انہوں نے اپنا خیال تبدیل کر لیا ہو (۱۲) اور اس سلسلے میں ان کا اس سے زیادہ حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ حسن بصری شروعات میں قرآن میں اعراب لگانے والے گروہ میں نہیں گنے جا سکتے' مگر جن دوسرے افراد کے نام ہیں ان کے کام کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے۔

ابو الاسود دوئلی (۱۳)

اس میدان میں سبقت کرنے والے دوسرے شخص ابو الاسود دوئلی ہیں۔ (۱۴) ان کے بارے میں مختلف انداز میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مثلاً ابی ملیکہ کہتا ہے : حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک اعرابی مدینہ آیا اور فرمائش کی کہ کوئی اس کو قرآن پڑھ کر سنائے۔ کسی شخص نے اس کو سورہ براۃ سنائی جب اس نے ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ (۱۵) کی قرائت کی تو لفظ رسولہ کو بجائے ضم لام سے پڑھنے کے کسر لام سے پڑھا۔ نتیجہ یہ کہ اس کے معنی بدل گئے (اللہ اور اس کا پیغمبر مشرکوں سے بیزار ہیں) اس کے بجائے معنی تبدیل ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں اور اپنے پیغمبر سے بیزار ہے (معاذ اللہ) یہی بات اس عربی شخص کی سمجھ میں آئی۔ یہ قصہ حضرت عمرؓ کے کانوں تک پہنچا اور جو غلطی ہوئی تھی اس سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو صرف دانشور حضرات ہی قرآن سنایا کریں۔ پھر ابو الاسود سے فرمایا کہ وہ علم نحو کو وضع اور مرتب کریں۔ (۱۶)

ابو الاسود کی داستان دوسرے انداز میں بھی بیان کی گئی ہے۔

ابو الاسود نے اصول علم نحو حضرت علیؑ سے سیکھا ہے۔ (۱۷) اسی بناء پر اس علم میں اس کو بہت شہرت ملی۔ کچھ لوگوں نے اس سے یہ علم حاصل کیا جن میں سے ایک خراسان کا قاضی یحییٰ بن یعمر عدوانی اور دوسرا نصر بن عاصم لیثی تھا۔ ان دونوں نے بھی نحو، قرائت قرآن اور فنون ادب میں بہت مہارت حاصل کی تھی۔

اس زمانے میں بصرہ اور اس کے توابع کا والی زیاد بن سمیہ تھا۔ (۱۸) عتبی کہتا ہے اموی خلیفہ معاویہ نے زیاد کو ایک خط لکھا اور عبید اللہ ابن زیاد کو شام اپنے پاس بلایا۔ معاویہ نے دیکھا کہ اس کی زبان بہت خراب ہے اور گفتگو میں غلطیاں (لحن) بہت ہیں۔ معاویہ نے اسے اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا اور اپنے بیٹے کی تربیت میں کوتاہی پر اسے سرزنش کی۔ زیاد اپنے بیٹے کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا تو ابو الاسود کو بلایا اور عربی زبان میں جن خرابیوں نے راہ پائی تھی ان کا ذکر کیا اور کہا کہ کتاب خدا میں اعراب لگا دیں تاکہ لوگ غلطیوں سے کچھ کم دوچار ہوں۔ مگر ابو الاسود نے اس کام سے گریز کیا اور اس سے انکار کر دیا۔ مگر زیاد نے اپنا ارادہ ترک نہیں کیا اور ایک شخص سے کہا کہ راستے پر بیٹھ جاؤ۔ جب وہاں سے ابو الاسود گزرے تو بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنا۔ مگر یہ مت ظاہر کرنا کہ انکو سنا رہے ہو۔ اس شخص نے یہی کیا اور آیت ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ کو لام کے کسرہ سے پڑھا۔

ابوالاسود یہ سن کر پریشان ہوئے اور کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس سے عزیز تر ہے کہ وہ رسولؐ سے بیزاری کا اظہار کرے۔ پھر اسی وقت وہ زیاد کے پاس گئے اور کہا۔ میں تمہاری بات مانتا ہوں اور جو تم نے کہا تھا اس کو قبول کرتا ہوں۔ میں نے قصد کیا ہے کہ قرآن میں اعراب لگانا شروع کروں' میرے پاس کاتب بھیجو۔

زیادؔ نے چند کاتب ان کے پاس بھیج دیئے۔ آپ نے ان میں سے ایک عبدالقیس کا انتخاب کیا اور اس سے کہا : مصحف کو اپنے ہاتھ میں لو اور سیاہ کے علاوہ کسی رنگ کو (سیاہی کے طور پر) تیار کرو۔ میں جب کسی حرف پر اپنے ہونٹوں کو کھولوں تو اس حرف کے اوپر ایک نقطہ لگادو۔ (یعنی فتحہ) جب ہونٹوں کو بند کرنے لگوں تو اس حرف کے نیچے ایک نقطہ لگاؤ (یعنی کسرہ)۔ جب دونوں ہونٹوں کو بند کرلوں تو نقطے کو حرف کے درمیان ڈال دو (یعنی ضمہ) اور سکون کی علامت کو دو نقطہ قرار دیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ قرآن پر ھنا شروع کیا اور وہ کاتب نقطے لگاتا چلا گیا۔ جب ایک صفحہ ختم ہو جاتا تو ابوالاسود اس پر نظر ثانی کرتے۔ اس طرح اس کام کو مکمل کیا اور سارے قرآن میں اعراب لگوادیئے۔ نیز وہ علامات بھی جو ان سے منسوب ہیں انہوں نے وضع کیں۔ (۱۹) لوگوں نے اس طریقے کو پسند کیا اور اس بارے میں ان کی پیروی کی۔ بعد میں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا۔ یہ طریقہ مقبول ہوتا گیا۔ اسی طرح تشدید کے لئے مدینہ کے لوگوں نے کمان ( ) کی طرح علامت وضع کی اور یہ کام آگے بڑھتا رہا۔ (۲۰)

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ابوالاسود نے یہ کام انجام دیا۔ مگر یہ واضح نہیں کہ زیاد (۲۱) کے حکم پر یا عبدالملک بن مروان (۲۲) کے فرمان پر انجام دیا تھا۔ یہ بات کہ انہوں نے از خود یہ کام کیا ہو کچھ معقول نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کی نقطہ گزاری کی۔ یہ ان میں پہلے آدمی ہوں (۲۳) مگر سب لوگ اس خیال پر نہیں ہیں۔

یحییٰ بن یعمر

ابن ابی داؤد دوسری ہی بات کہتا ہے۔ "پہلا شخص جس نے قرآن میں نقطہ گزاری کی ایک وہ یحییٰ بن یعمر تھا۔ (۲۴) کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے پاس ایسا مصحف تھا جس میں یحییٰ بن یعمر نے نقطہ گزاری کی ہوئی تھی۔ (۲۵) یحییٰ بصرہ کا مشہور قاری اور ایرانی النسل شیعہ تھا۔ (۲۶) مگر ہم جانتے ہیں کہ ابن سیرین نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی تھی۔ (۲۷) اس لئے اس زمانے میں نقطہ گزاری والا قرآن اس کے پاس ہونے کو ذہن قبول نہیں کرتا۔ (۲۸)

نصر بن عاصم لیثی

تیسرا شخص جو قرآن کی نقطہ گزاری کے سلسلے میں صف اول میں شمار ہوتا ہے (۲۹) وہ نصر بن عاصم ہے۔ (۳۰) وہ اپنے دو استادوں ابوالاسود اور یحییٰ بن یعمر کا وفادار شاگرد تھا۔ ابن خلکان کہتا ہے۔ حجاج نے جب قرائت قرآن کی آشفتہ حالی دیکھی تو اپنے کاتبوں سے کہا کہ حروف مشابہ پر علامت لگاؤ کہ ان کا پڑھنا آسان ہو جائے۔ یہ کام ایک شخص نصر بن عاصم کے ہاتھوں شروع ہوا جس نے سرکاری خطوط لکھنے میں نقطے لگانے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا کہ حرکات کی تشخیص ہو سکے۔ مگر چونکہ اس کے بعد غلطیوں کا امکان تھا اس لئے حرکات کا نقطہ گزاری کے ساتھ حروف پر نقطوں کا اضافہ بھی کیا گیا۔

اس کی عبارت اگرچہ ذرا پیچیدہ ہے مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد متشابہ حروف جیسے ب' ت' ث پر نقطہ گزرای تھی اور اسی کو انجام کا نام دیا گیا۔ ابو احمد عسکری بھی اپنی کتاب "التصحیف" میں لکھتا ہے کہ نصر بن عاصم نے حجاج کے حکم پر متشابہ حروف پر علامت لگائی (۳۱) جاحظ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہی کتاب "الامصار (۳۲) میں کہتا ہے کہ نصر بن عاصم قرآن کا پہلا نقطہ گزار ہے اور اس کو نصر الحروف پکارا جاتا ہے۔ (۳۳) مگر ابو عمرو الدانی کہتا ہے ممکن ہے بصرے کے لوگوں کے لئے یحییٰ اور نصر مصرف کے پہلے سے نقطہ گزار ہوں اور انہوں نے اس چیز کو ابوالاسود سے حاصل کیا ہو کہ وہی تھا جس نے حرکات اور تنوین کا کام کیا اور دوسرا کوئی نہیں ہے۔

ایرانیوں کا حصہ

آپ نے قرآن میں پہلے اعراب گزاروں کا ذکر پڑھا اور اس بارے میں جو اختلافات ہیں وہ بھی آپ کی نظر سے گزرے۔ اس کام کی بنیاد اور اس کی حقیقت کیا تھی' ابھی تک صحیح معلوم نہیں اور جیسا کہ علامہ دھخدا نے بھی اشارہ کیا ہے (۳۵) کہ اہل زبان کی نسبت غیر (عرب) لوگوں کو اعراب اور عربی قواعد کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کام اسی وقت شروع ہوتا ہے جب اس کی احتیاج اور ضرورت ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ممکن ہے ابوالاسود اور ان کے شاگرد یحییٰ بن یعمر ایرانی اور شیعہ ہوں۔ اعراب اور نقطہ گزاری کی مثال ان سے پہلے بھی موجود ہو۔

چنانچہ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن کی قرائت کو آسان بنانے میں شاید ایرانیوں کا بھی کچھ حصہ ہو' اس پیشرفت میں جن لوگوں کا ہاتھ تھا ان میں ہم یزید فارسی کا بھی نام پڑھ چکے ہیں۔ اس کے بعد

بصرہ کے دانشور خلیل بن احمد کا ذکر بھی آیا ہے جو ایرانی النسل ہے۔(۳۶) وہ پہلا شخص ہے جس نے ہمزہ' تشدید' روم اور اشمال کو وضع کیا تھا۔(۳۷) گویا الفاظ کے حرکات کا طریقہ جو آج ہم دیکھتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔(۳۸)

ابو حاتم سجستانی(۳۹) بھی ایرانی تھا کہ جس نے قرآن کے رسم الخط پر ایک رسالہ تحریر کیا اور اس کا کچھ حصہ آج بھی موجود ہے۔(۴۰) ان کوششوں سے مصاحف کا رسم الخط اپنے کمال تک پہنچا اور تیسری صدی ہجری میں خوبصورتی اور زیبائی سے متصف ہوا۔

حرکات کے تعین کی تاریخ

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے' ان لوگوں میں ہر ایک جو اس کام میں اول کہلاتا ہے' اس کام میں اس سے پہلے بھی ضرور کچھ پیش رفت ہوئی تھی۔ خط عربی میں بھی پہلے کچھ کام ہو چکا تھا اور ان کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اس طریقے سے قرآن میں استفادہ کیا جیسا کہ ہم دیکھ چکے کہ زیاد بن ابوسفیان نے ابوالاسود سے کہا کہ قرآن میں نقطہ گزاری کریں۔(۴۱) الفاظ کے اعراب کے لئے نقطوں سے نشان لگانے کا طریقہ قدیم کلدانیوں سے طریقہ لیا گیا تھا۔ عراق کے کلدانی یا ان کے ہمسایہ سریانی اسم' فعل اور اوپر نیچے کے حروف کی پہچان کے لئے نقطے لگاتے تھے۔ مگر ابوالاسود حرکات کے تعین کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ عام طور سے معروف نہیں تھا یا لوگ بھول چکے تھے اور اس کا رواج باقی نہیں رہا تھا تاہم اس بات کا امکان ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ کلدانیوں سے لیا ہو اور قرآن کے لئے اس سے استفادہ کیا۔

سریانی خطوط دراصل فینقی حروف تہجی سے لئے گئے تھے اور ان میں حروف کے حرکات کی علامات نہیں ہوتی تھیں۔ سریانی مدتوں ایسے حروف میں لکھا کرتے جن میں ان کی حرکات کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ جب عیسائی ہوئے تو کلیسا میں انجیل پڑھنے کے لئے ان کو غلط تلفظ سے پاک تحریر پڑھنے کی ضرورت پیش آئی۔ کتاب مقدس کا غلط پڑھا جانا ان کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا اور بعض اوقات کفر اور زندقہ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حروف کے اوپر نیچے نقطے لگانے شروع کئے اور یہ چیز سریانی عیسائیوں کی نسطوری اور یعقوبی میں تقسیم سے پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ نسطوریوں کے یہاں اس میں بہت پیشرفت ہوئی اور یہ تمام سریانی تحریروں میں رواج پا گیا۔(۴۲) عبرانیوں نے بھی سریانیوں کا یہ طریقہ اپنایا اور اپنی مذہبی کتابوں میں نقطہ گزاری شروع کر دی۔(۴۳) اس طرح سامی قوم کے ان

تین گروہوں (سریانی عرب 'عبرانی) نے اپنی تحریروں میں حروف کا حرکات کے لئے یہ رسم اپنالی۔

ہم نے ابوالاسود کا طریقہ دیکھا کہ وہ الفاظ کے آخر میں اعراب اور تنوین کی جگہ نقطہ گزاری کرتے تھے۔ (۴۴) اگلی صدی میں خلیل بن احمد کی باری تھی 'انہوں نے دوسری علامات جیسے ہمزہ اور تشدید وضع کی۔ (۴۵) لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اگر کچھ دوسرے طریقے رائج تھے تو وہ ختم ہو گئے۔ شروع میں اس طریقے کی مخالفت ضرور ہوئی مگر بعد میں مروج ہو گیا۔ اس زمانے میں نقطوں کی متن کی سیاہی کے علاوہ کسی دوسرے رنگ سے لگاتے تھے۔ قرآن کے قدیم ترین نسخوں میں سے جو ایک ملا ہے وہ قاہرہ کے نزدیک جامع عمرو عاص میں تھا اور وہ چمڑے کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر خط کوفی میں لکھا ہوا تھا۔ اس میں ابوالاسود کا طریقہ کار نظر آتا ہے یعنی قرآن کا متن سیاہ روشنائی سے اور نقطے سرخ روشنائی سے لگائے گئے ہیں۔ نقطہ اگر حرف کے اوپر ہو تو فتحہ کی علامت ہے' نیچے ہو تو کسرہ کی اور درمیان میں ہو تو گویا ضمہ کی علامت ہے۔

-----☆ ☆ ☆ ☆ ☆-----

حوالہ جات

(۱) کتاب المصاحف ابن داؤد : ۳۲۔ المحکم فی نقط المصاحف۔ ابو عمرو الدانی۔ طبع دمشق ۱۹۶۰ء ص ۱۸۵ 'المقنع فی معرفتہ رسم مصاحف الامصار طبع استانبول ۱۹۳۲ء ص ۲۴ 'الاتقان فی علوم القرآن۔ طبع سوم حلبی بابی ا۔ ۱۸۲ انوع ۳۱ تنبیہات۔

(۲) ابن خلکان۔ وفیات الاعیان۔ طبع ۱۳۱۰ قاہرہ ا۔ ۱۳۵ (۳) دانی المحکم ۲

(۴) قرطبی۔ الجامع الاحکام القرآن ا۔ ۲۳ (۵) دانی۔ المحکم ۲

(۶) المحکم فی نقط المصاحف ۳ (۷) ترجمہ اعجاز قرآن رافعی : ۵۳

(۸) المحکم۔ ۷-۹ (۹) الاتقان ۲۔ ۱۷ انوع ۷۶ مسئلہ

(۱۰) حسن بن ابی الحسن بصری بزرگ تابعی' دانشور زاہد اور اپنے زمانے کے فصحا میں سے تھے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ خلاصہ تذہیب الکمال ۶۶ (۱۱) کتاب المصاحف ۱۳۱۔ المحکم ۱۱

(۱۲) الاتقان ص ۱۷ اوالمصاحف ۱۳۲ و ۱۳۳

(۱۳) ابوالاسود دؤلی۔ ان کے نام 'ان کے باپ کے نام 'سال وفات اور ان کے کاموں کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ ظالم بن عمرو بن سفیان زیادہ مشہور ہے۔ ان کو حضرت علی بن ابی طالب کی مصاحبت ملی تھی اور وہ بصرہ میں حدیث اور فقہ کے علوم میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کا سال وفات ۶۹ھ سے ۱۰۱ھ (۶۸۸ء سے ۷۲۰ء) تک بتایا گیا ہے۔ (یہ ۳۱ سال کا فرق ہے) وہ شاید بصرہ کے قریب رہنے والے ایرانی دہقانی ہیں۔ اس زمانے میں عرب اکابر اپنے بچوں کے لئے استاد اور مربی کی حیثیت سے ایرانیوں کا انتخاب کرتے۔ یہ زیاد بن ابیہ کی اولاد کے معلم تھے۔ دھخدا۔ لغت نامہ۔ لفظ 'ابوالاسود۔ طبقات۔ ابن سعد ۷ قسم ا۔ ۷۰ 'العقد والعقد ا۔ ابن قتیبہ ۵۷ ۳ (یا ۷۰ ۷) 'الاغانی ۱۱۔ ۱۰۵۔ طبع بولاق۔ الارشاد۔ یاقوت ۴۔ ۲۸۰۔ تاریخ دمشق۔ ابن عساکر ۷۔ ۱۰۴ 'خزانۃ الادب ا۔ ۱۳۶۔ ا۔ تاریخ الادب العربی۔ بروکلمن ا۔ ۱۷۱۔ اسد الغابۃ ۳۔ ۶۹ 'الاصابۃ ۳۔ ۳۰۴ 'تاج العروس (دال)'

تہذیب التہذیب ۱۲۔ ۱۰' جمہرۃ الانساب۔ ۱۷۵' علامہ تہذیب الکمال۔ ۳۸۱' ابن خلکان ا۔ ۲۴۰' روضات الجنات۔ ۳۴۱۔ شذرات الذہب ا۔ ۱۴۔ طبقات القراء۔ ابن جزری ا۔ ۳۴۵ المزہر ۲۔ ۳۹۷' ۳۱۸' ۴۶۱ المعارف۔ ۱۹۲' معجم الادباء ۱۲۔ ۳۴۔ از انباہ الرواۃ ا۔ ۱۳

ENCYCLOPEDIE DE ISLAM LEYDEN 1913 SUIV (ART ABU-ASWAD) 1.80

(۱۴) البرھان فی علوم القرآن ا۔ ۲۵۰' ۲۷۸۔ الاتقان ۲۔ ۱۷ انوع ۷۶ مسئلہ۔

(۱۵) سورہ ۹ براۃ۔ آیت ۳

(۱۶) جامع الاحکام۔ قرطبی ا۔ ۲۴' المحکم۔ صفحہ ۴ حاشیہ ۲۔ نقل از کتاب الایضاح فی الوقت والابتداء۔ ابی بکر بن انباری۔ (م ۳۲۷) نسخہ خطی شمارہ ۳۵۔ قرائت دار الکتب ظاہریہ۔ دمشق۔ ۱۵-۱۶

(۱۷) ابن خلکان۔ وفیات الاعیان ا۔ ۲۴۰' معجم الادباء۔ یاقوت ۱۴۔ ۴۹' نزہتہ الالباء ۵' انباہ الرواۃ ا۔ ۴ اور ۱۵' طبقات القراء۔ ابن جزری ا۔ ۳۴۶

(۱۸) زیاد ابن سمیہ یا زیاد بن عبید یا زیاد بن ابیہ یا زیاد بن ابی سفیان۔ اس کی ماں سمیہ ایرانی النسل اور حارث بن کلدہ کی کنیز تھی۔ سمیہ اتفاق سے کلدہ تک پہنچی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو بنی ثقیف کے ایک رومی غلام عبید سے نسبت دیتی تھی۔ مگر زمانہ جاہلیت میں جو سنت خلاف جاری تھی' معاویہ نے اس کے مطابق اس کو اپنا بھائی اور ابو سفیان کا بیٹا قرار دیا۔ ۱۶۰ھ میں عباسی خلیفہ مہدی نے زیاد کے خاندان کی قریش سے نسبت کو رد کر دیا۔ زیاد ہوشیار' زیرک اور تیز آدمی تھا' جب حضرت عمرؓ کی طرف سے مغیرہ بن شعبہ بصرہ کا والی بنا تو زیاد اس کا منشی تھا اور پھر حضرت علیؓ کے زمانے میں والی فارس بنا۔ وہ معاویہ کی خلافت سے باغی ہو گیا مگر مغیرہ نے دوستی کا پاس کرتے ہوئے اس کو امان دی اور بات یہاں تک آگے بڑھی کہ معاویہ نے اس کو اپنا بھائی اور ابو سفیان کا بیٹا تسلیم کر لیا اور بصرہ کی حکومت اس کے حوالے کی۔ زیاد کسی بھی سختی اور زیادتی کو خاطر میں نہیں لاتا' وہ اپنے کام میں اس قدر پختہ ہو گیا کہ جب تک ۵۳ھ کے طاعون میں مرا نہیں۔ اس وقت تک معاویہ اپنے بیٹے یزید کو جانشینی کے لئے مقرر نہ کر سکا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے مثال پر کتاب لکھی۔ فہرست۔ ابن الندیم ۸۹' المعارف۔ ابن قتیبہ ۲۷۶' تہذیب الاسماء واللغات۔ نووی ا۔ ۲۵۹۔

(۱۹) انباہ الرواۃ۔ قفطی ا۔ ۵' اخبار النحویین۔ سیرافی۔ ۱۲' المحکم فی نقط المصاحف ۳-۷۔ تاریخ قرآن نولڈکے ۳۔ ۲۶۱

NOLDEKE : DIE, GESEHICHTE DES ORANTEXTS, LEIPZIG 1938 S.261.

(۲۰) نقطہ گزاری کے طریقے کے لئے ملاحظہ کریں۔ کتاب المصاحف ۳۴' المحکم فی نقط المصاحف۔ ۱۹۳۹ء

(۲۱) البرہان فی علوم القرآن ا۔ ۲۵۱' المحکم۔ ۳' انباہ الرواۃ۔ ۵

(۲۲) مقدمتان۔ مقدمہ ابن عطیہ بر تفسیر الجامع المحرر۔ ۲۷۶

(۲۳) BLACHER; INTRODUCTION AU CORAN P.80 NOTE 103

(۲۴) کتاب المصاحف۔ ۱۳۱' المحکم۔ ۵' الاتقان ۲۔ ۱۷۱

(۲۵) یحیٰ تقریباً ۴۵ھ میں بصرے میں پیدا ہوا۔ ایک عرصے تک عراق میں رہا پھر خراسان ہجرت کر گیا' وہ شیعان علی میں شمار ہوتا تھا' شاید اسی لئے حجاج نے اس کو خراسان جانے پر مجبور کیا۔ وہ ایک مدت تک مرو کا قاضی رہا اور ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۲۔ ۲۲۶' طبع ۱۳۱' غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ۳۸۱' بغیۃ الوعاۃ ۴۱۷

(۲۶) وفیات الاعیان ۳۔ ۲۲۷' البرہان ا۔ ۲۵۰' قرطبی ا۔ ۶۳' مقدمتان ۲۷۶

(۲۷) ابو بکر محمد بن سیرین بصری اپنے زمانے میں علوم دین کے پیشوا مانے جاتے تھے۔ تہذیب التہذیب ۹۔ ۲۱۴

(۲۸) BLACHERE INTRODUCTION AU CORAN : P.82

(۲۹) تلخیص۔ابن کلثوم۔ ۲۶۰۔الاتقان ۲۔ ۱۷۱'انباہ الرواۃ ۳۔ ۳۴۳

(۳۰) نصر بن عاصم بصرے کا قاری اور معروف فصحائے عرب میں سے تھا۔ ۸۹ھ یا ۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے زمانے میں وفات پائی۔ابغیۃ الوعاۃ۔ ۴۰۳'طبقات القراء۔ابن جزری ۲۔ ۳۳۶'تہذیب التہذیب ۱۰۔ ۴۲۷''معجم الادباء ۱۹۔ ۲۲۴

(۳۱) ابن خلکان اس کو نقل کرتا ہے۔ج ۱ ص ۱۲۵ طبع ۱۳۱۰۔لغت نامہ۔دھخدا ۲۴۱۔ ۲۹۸'حجاج'

(۳۲) شاید کتاب الامصار وعجائب البلدان۔ جاحظ ہو جس کا سعودی عرب نے مروج الذہب (ج ۱۔ ۲۰۶ طبع پیرس) میں اشارہ کیا ہے۔

(۳۳) البرہان ۱۔ ۲۵۱'مقدمہ ابن خلدون۔ ۲۷۶

(۳۴) ابو عمرو الدانی۔المحکم ۶

(۳۵) دھخدا۔لغت نامہ۔لفظ ابو الاسود

(۳۶) ابو عبدالرحمٰن خلیل بن احمد۔ عربی علم نحو کا حقیقی موسس۔ علم عروض کا ایجاد کنندہ۔ دانشور جس نے ۱۶۰ھ یا ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔اخبار النحویین بصرائی۔ ۳۸'انباہ الرواۃ ۱۔ ۳۴۱'تہذیب التہذیب ۳۔ ۱۶۳'ارشاد لاریب۔یاقوت ۶۔ ۲۲۳' معجم الادباء ۱۱۔ ۷۲'الانساب۔سمعانی ۴۲۱ب۔الاشتقاق۔ابن درید۔ ۲۹۲'لسان العرب ۴۔ ۳۳۲'ابن خلکان ۱۔ ۱۷۲ (شمارہ ۲۰۶) روضات الجنات۔ ۲۷۲'المزہر ۲۔ ۴۰۱'بغیۃ الوعاۃ۔سیوطی۔ ۲۴۳

(۳۷) کتاب الخط۔ابو عمرو الدانی۔ ۱۲۳'الاتقان ۳۔ ۱۷۱ انوع ۷۶ مسئلہ

GESCHICHTE DES QORANTEXTS. 262 (CF. BLACHERE. INTR. COR. 97)

(۳۸) کتاب الخط۔ابو عمرو الدانی۔ ۱۳۳'الاتقان ۳۔ ۱۷۱ طبع سوم حلبی و ۲۔ ۲۹۰'طبع حجازی نوع ۷۶ مسئلہ۔ کہا گیا ہے کہ اعراب گزاری اور علامات قرائت کو سریانی نمونوں سے حاصل کیا گیا تھا۔

BERGSTRASSER - PEATZAL : GECHI-CHTE DE QORANTEXTS S. 262. BLA-CHERE : INTRODUCTION AU CORAN P. 97.

(۳۹) ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان سجستانی (سیستانی) ابو عبید ہروی کے بعد اصمعی کا دوسرا مشہور شاگرد تھا۔بصرہ میں ۲۵۰ھ یا ۲۵۵ھ (۸۶۴ یا ۸۶۹ء) میں وفات پائی۔ بہت سی کتابیں اس سے منسوب ہیں۔ مثلاً المعمرین والاضداد والمقل والطیر والقرات الکبیر۔انباہ الرواۃ ۲۔ ۵۸'اخبار النحویین۔سیرافی '۹۳'بغیۃ الوعاۃ'۲۶۵'تاریخ اسلام۔ذہبی وفیات ۲۵۰'تہذیب التہذیب ۴۔ ۲۵۷' ابن خلکان ۱۔ ۲۱۸'شذرات الذہب ۳۔ ۱۲۱'طبقات القراء ابن جزری ۱۔ ۳۲۰'الفہرست۔ ۵۸ (طبع مصر ص ۹۲) معجم الادباء ۱۱۔ ۲۶۳'ارشاد۔یاقوت ۴۔ ۲۵۸'تاریخ الادب العربی ۲۔ ۱۵۹۔ وہ چشم کے قبیلے سے منسوب ہے اور اس نام کے بہت سے قبائل ہیں۔ابن خلکان کہتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کس قبیلے سے متعلق ہے۔

(۴۰) کتاب المصاحف۔ ۱۴۴'مقدمہ بلاشر ۹۷

(۴۱) البرہان فی علوم القرآن ۱۔ ۲۵۱'المحکم ۳'انباہ الرواۃ ۱'۵

(۴۲) محاضرات خویدی ۸۳۔ ۸۴'الطرفۃ الشہیہ۔ ۱۶۲'قصۃ الکتابۃ العربیۃ۔ ۴۹'فقہ اللغۃ۔دانی ۵۹-۶۶'۱۷۴

(۴۳) تاریخ اللغات السامیہ ۱۰۳'فقہ اللغۃ۔دانی ۵۳'دروس اللغۃ العربیہ ۶۵

(۴۴) انباہ الرواۃ۔قفطی ۱۔ ۵'اخبار النحویین۔سیرافی ۱۶۱'المحکم فی نقطۃ المصاحف '۳۔ ۷ ہر ایک کو نئے انداز سے کہا ہے۔نولڈ کے کی تاریخ قرآن ۳۔ ۲۶۱ بھی ملاحظہ کی جائے۔

(۴۵) کتاب الخط۔ابو عمرو الدانی ۱۳۳'الاتقان ۳۔ ۱۷۱' نوع ۷۶ مسئلہ

قرآن اور فطری معرفت

قسط اول

استاد علی ربانی گلپائیگانی

ایران سے متعدد علمی اور تحقیقی مجلات شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے "کیہان اندیشہ" کو عالمی سطح پر خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے شمارہ ۴۷ میں "تفسیر و علوم قرآن" کے سلسلے میں آزاد اسلامی یونیورسٹی قم کے معروف استاد محقق اور فیلسوف جناب علی ربانی گلپایگانی کا ایک مفید مقالہ شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ جناب کوثر عباس حیدری اور جناب فدا بخاری صاحب نے کیا ہے۔ ذیل میں ہم اسے نذر قارئین کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

فطرت قرآنی مفاہیم میں سے ایک مفہوم ہے اور تفسیری بحثوں سے مربوط ہے۔ اسی لیے مفسرین نے آیت فطرت (روم۔ ۳۰) اور دوسری آیات جو اس مسئلہ کو بیان کرتی ہیں، پر بحث کی ہے۔ دوسری طرف احادیث اسلامی میں بھی مسئلہ فطرت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اسی چیز نے احادیث کے شارحین کو بھی مسئلہ فطرت پر تحقیق کے لئے ابھارا ہے۔

تیسری جہت سے فطرت کی بحث ایک کلامی اور اعتقادی مسئلہ ہے اس لیے کہ مبداء اور معاد کے بارے میں بحث، کلامی بحثوں کا محور ہے اور برہان فطرت متکلمین کے براہین میں سے ایک برہان ہے، جسکی مدد سے وہ انسان کے مبداء اور معاد کی طرف میلان و رجحان کو ثابت کرتے ہیں۔ مغربی متکلمین بھی (خصوصاً عصر حاضر میں) اس مسئلے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور "تجربہ دینی" کے

عنوان سے جو بحثیں شروع ہوئی ہیں ان کا محور یہی مسئلہ ہے۔

قرآن کریم کی نظر میں' فطری معرفت' دو حوالوں سے انسانی وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی جس کے دو سرچشمے ہیں۔ اس کا ایک مرکز "عقل" ہے اور دوسرا ہے "دل"۔ اس کے کئی نمونے قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ فطرت کے سرچشمے اور اس کے محرکات کو بھی بیان کیا گیا ہے نیز اس کی آفات اور اس پر آنے والی مصیبتوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہم مختصر انداز میں قرآن کی نظر میں حصول علم و معرفت کے ذرائع کے حوالے سے اور اس کے بعد فطری معرفت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہماری گفتگو مندرجہ ذیل عناوین پر ہو گی:

الف: قرآن کی نظر میں معرفت کے ذرائع ب: معرفت فطری کیا ہے؟

ج: قرآن میں معرفت فطری کی مثالیں۔ د: فطری معرفت کیلئے آفتیں

ھ: فطری معرفت کا سرچشمہ اور اس کے محرکات۔

اب ہم ان مذکورہ عناوین پر تفصیلی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

الف :۔ قرآن کی نظر میں علم و معرفت کے ذرائع

قرآن کریم نے علم و معرفت کی ان تمام عمومی ذرائع کی تائید کی ہے جو انسانی معاشرے میں رائج ہیں اور خود بھی معرفت کے ایک ذریعے (جو دیگر تمام ادیان الٰہی میں بھی قبول شدہ ہے) کو پیش کیا ہے اور وہ ذریعہ "وحی" ہے بنا برایں قرآنی نظر میں کسب معرفت کی راہیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حواس (۲) دل و فطرت (۳) عقل و خرد (۴) وحی

اب ہم ان سب کے بارے میں قرآنی آیات پیش کرکے اختصاراً ان کی وضاحت کریں گے تاکہ معرفت فطری کے حوالے سے بحث بالکل واضح ہو جائے۔

۱۔ حواس کے ذریعے: قرآن کریم نے اس کے حوالے سے دو حسوں بینائی اور شنوائی (یعنی دیکھنے کی قوت اور سننے کی حس) کا خصوصی ذکر کیا ہے اور ان دونوں کو انسان کیلئے کسب معرفت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ ان آیات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن میں دونوں حسوں کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم ان آیات کی ہے جن میں ان دونوں میں سے ہر ایک کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل آیات زیادہ واضح ہیں:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

خدا نے تمہیں اس حال میں تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنایا تاکہ تم شکر ادا کرسکو۔ (۱)

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل تخلیق کیے لیکن تم اس کا کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ (۲)

سورہ ملک کی آیت نمبر ۲۳ میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح سورہ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

اس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل تخلیق کیے (تاہم) تم میں سے کم ہی شکر ادا کرتے ہیں۔ (۳)

لفظ "سمع" کبھی تو بمعنی "قوت سماعت" کے استعمال ہوا ہے، کبھی بمعنی "کان" کے۔ اور کبھی بمعنی "سنے جانے" کے (۴)۔ یہ لفظ قرآن میں ہر جگہ مفرد ہی استعمال ہوا ہے جبکہ کلمہ بصر عموماً جمع استعمال ہوا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کانوں سے جو چیز سنی جاتی ہے وہ محض آواز ہے لیکن قوت بینائی سے ہم شکل وصورت، رنگ، طول وعرض وغیرہ بھی دیکھ سکتے ہیں اور شاید عمل شنوائی اور عمل بینائی میں یہی وحدت و کثرت لفظوں کے ظاہری اختلاف کا سبب بن گیا ہو۔ (۵)

واضح سی بات ہے کہ قرآن کریم نے چونکہ قواء حسی کو کسب معرفت کا وسیلہ وذریعہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان ذرائع سے حاصل ہونے والی معرفت کو بھی میسر سمجھتا ہے۔ اس بنا پر نظریہ نفی معرفت (یعنی معرفت کی کوئی حقیقت نہیں ہے) جسے سو فسطائی اور شکاکان پیش کرتے ہیں، ناقابل قبول ہے۔ حس شنوائی میں ایک نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ جب بھی انسان اپنے دینی یا دنیاوی مسائل میں ماہر یا سپیشلسٹ نہ ہو تو اس شعبے کے ماہرین کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اس لیے قرآن کریم میں کبھی صرف دو حسوں یعنی قوت سماعت وعقل ہی کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

وہ حقائق جو ہم نے بیان کیے ان میں درس عبرت ہے اس کے لیے جو صاحب تعقل و تفکر ہے یا سننے والے کان رکھتا ہے اور توجہ دیتا ہے۔ (۶)

نیز ایک مقام پر دوزخیوں کی بات کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

"لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ" (۷)

اگر ہم نے کان دھرے ہوتے یا ہم نے عقل استعمال کی ہوتی تو آج دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ (۸)

۲۔ عقل وخرد:۔ قرآن کے وہ الفاظ جو اس ذریعہ اور وسیلہ معرفت کو بیان کرتے ہیں وہ ہیں: تفکر،

تعقل، لب، قلب اور فواد۔ پہلے دو الفاظ معرفت اور حصول علم کے عمل اور انجام دہی کو بیان کرتے ہیں جب کہ باقی حصول معرفت کی راہوں اور ذرائع اور وسائل کو بیان کر رہے ہیں۔

فکر ایسی قوت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان معرفت تک پہنچ سکتا ہے اور تفکر کہتے ہیں عقل کی مدد سے اس قوت کو کام میں لانا۔ (۹) قرآن کریم میں ایسی آیات بہت ساری ہیں جن میں اہل فکر کی تعریف کی گئی اور جو فکر سے کام نہ لینے والوں کی سرزنش کی گئی ہے۔ عقل کسب علم کے لئے ایک قوت ہے اور کبھی اسے اس علم و دانش پر بھی بولا جاتا ہے جو عقل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

حدیث رسولؐ میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر گرامی قدر اور قیمتی چیز کوئی نہیں پیدا کی۔" نیز ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: "عقل سے بڑھ کر خدا نے ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جو ہدایت کیلئے انسان کی راہنمائی کرے اور اسے گمراہی سے روکے۔"

پہلی حدیث عقل کے پہلے معنی کو بیان کر رہی ہے اور دوسرے حدیث عقل کے دوسرے معنی کو بیان کر رہی ہے۔ (۱۰) ایسی بھی بہت ساری آیات ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ حق اور باطل کے درمیان تشخیص کیلئے عقل سے استفادہ کیا جائے۔

لب :۔ اس عقل کو کہتے ہیں جو شائبوں سے پاک اور قوت ادراک سے آراستہ ہو۔ بنا بر ایں "لب" عقل کے معنی سے اخص اور محدود ہے یعنی ایک خاص مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے اور عموماً جن آیات قرآنی میں استعمال ہوا ہے وہاں لطیف معانی و حقائق کی طرف اشارہ ہے۔ (۱۱) قبل اس کے کہ ہم "قلب اور فواد" دو لفظوں کی وضاحت کریں، مذکورہ تین الفاظ کے متعلق قرآنی آیات ذکر کرتے ہیں

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَاللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ

خدا کے نزدیک بدترین جاندار وہ گونگے اور بہرے لوگ ہیں جو تعقل نہیں رکھتے۔ (۱۲)

ويجعل الرجس على الذين لا يعقلون

خدا نجاست ان لوگوں پر قرار دیتا ہے جو سوچتے نہیں ہیں۔ (۱۳)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

خدا اسطرح کی نشانیاں تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم تفکر کرو۔ (۱۴)

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل مندوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ (۱۵)

قرآن میں "قلب"

قرآنی آیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ لفظ "قلب" درج ذیل مفاہیم کے لیے استعمال ہوا ہے:

۱ : دل یا ایک ایسا مرکز جس میں درج ذیل صفات ہوتی ہیں: اطمینان، خوف، سکون یا نرمی، میلان، حسرت، قساوت، الفت، خشیت، کینہ یا اس طرح کی دوسری صفات۔ متعدد آیات میں انہیں قلب کی صفات کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۲ : عقل و فہم :۔ قرآن کی بعض آیات میں قلب بہ معنی عقل و فہم استعمال ہوا ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ

بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جس کا دل (بیدار) ہو یا کان لگائے اور وہ متوجہ ہو۔ (۱۶)

جیسے کہ ہم اس سے پہلے تذکرہ کر چکے ہیں کہ اس آیت میں نیکی اور بدی کی باہمی تشخیص اور مصلحت و مفسدہ اور نفع و نقصان کی تشخیص کیلئے دو ذریعے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قوت عقل و خرد سے استفادہ اور دوسرا دوسروں کی مہارت سے استفادہ جو کسی کی باتوں کو غور سے سننے کی نتیجے میں ہوتا ہے۔

نیز ارشاد ہوتا ہے **لهم قلوب لا یفقهون بها** (۱۷) یہاں اس آیت میں بھی قلوب سے مراد عقل و خرد ہے کہ گمراہ لوگ حقائق الٰہی کو سمجھنے کے لیے اس سے استفادہ نہیں کرتے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا

کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں جو ان کے دل (ایسے) ہو جاتے کہ ان سے سمجھنے لگتے۔ (۱۸)

واضح سی بات ہے کہ تعقل، عقل و خرد کی قواء کو استعمال میں لانے کا نام ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا پھر کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۹)

اس آیت میں "قلب" سے مراد عقل و خرد ہی ہے۔ "تدبر" کے قرینے کی وجہ سے جس کے معنی "تفکر" کے ہیں۔

۳ : بعض آیات میں قلب کے لیے ایسی صفات کا تذکرہ ہے جو عقل پر بھی صادق آتی ہیں اور دل پر بھی۔ جیسے ہدایت، تقویٰ، پاکیزگی، مہر لگ جانا، سیل ہو جانا، مشتبہ ہو جانا، انحراف، خیر، غفلت، آلودگی گناہ، وغیرہ وغیرہ۔

۴ : کبھی لفظ قلب سے مراد انسان کی روح ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ

جب ان کی جانیں حلق تک پہنچ جائیں۔ (۲۰)

اور اسی طرح فرمایا:

وَاِذَ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرَ كَاظِمِيْنَ

جب غم سے جانیں حلق تک پہنچ جائیں۔ (۲۱)

راغب فرماتے ہیں لفظ قلب ان امور میں استعمال ہوتا ہے جو انسان سے مختص ہیں۔ جیسے روح، انس، شجاعت، وغیرہ۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ وبلغت القلوب الحناجر یہاں قلوب سے مراد ارواح ہیں اور ارشاد ہے: ان فی ذالک لذکرٰی لمن کان لہ قلب۔ یہاں قلب سے مراد علم و فہم ہے۔ نیز ارشاد ہے: ولتطمئن قلوبکم یعنی تاکہ تمہاری شجاعت محکم ہوجائے اور خوف تم سے جاتا رہے۔ (۲۲)

علامہ طباطبائی نے آیہ "بما کسبت قلوبکم" (۲۳) میں قلوب کی تفسیر "روح و نفس" کی ہے۔ اس لیے کہ کسب واکتساب کی نسبت انسان کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں دی جاتی۔ اس کا مبتداء درحقیقت انسان کا نفس اور اس کی روح ہی ہے۔ (۲۴) شیخ محمد عبدہ بھی کہتے ہیں کہ لفظ "قلب" وجدان، عقل، اور نفس ناطقہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال "وجدان" کے معنی میں زیادہ ہے۔ کیونکہ "یقین" اور "ایمان" اسی سے مربوط ہے۔

قرآن میں لفظ "فواد"

ان تمام آیات کے مطالعے سے جس میں لفظ "فواد" اور "افئدہ" استعمال ہوا ہے، پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ دو ادراکی اور حساساتی خصلتوں کو بیان کرتا ہے۔ ایک عقلائی ادراک اور دوسرا باطنی ادراک جسے وجدانی ادراک یا ضمیر خود آگاہ بھی کہتے ہیں۔

وہ آیات جن میں معرفت کے ذرائع بیان کئے گئے ہیں ان میں کانوں اور آنکھوں کے بعد "فواد" آیا ہے۔ یہ اس بات کا شاہد ہے کہ فواد سے مراد عقل و خرد کی طاقت ہے۔ جیسا کہ بعد کی آیات میں فواد ثابت قدمی، اطمینان، آرام وسکون، فراغت جیسی صفات کے ساتھ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ كُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

ہم تم سے رسولوں کے احوال بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے تمہارے دل کو تسلی دیں۔ (۲۶)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوسٰى فٰرِغًا

موسیٰ کی ماں کا دل ہر چیز سے لاتعلق ہو گیا (سوائے اپنے بیٹے کے)۔ (۲۷)

باالفاظ دیگر فواد سے مراد قلب اور انسان کا نفس اور اس کی روح ہی ہے۔ منطقیوں کی اصطلاح کے مطابق یہ انسان کی فصل ممیز ہے۔ اس حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو ہے تفکر اور سوچ بچار اور دوسرا ہے احساس اور باطنی شہود۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں علم و معرفت اور ادراک کا ذریعہ ہیں۔

دل اور باطن کے ذریعے

قرآن مجید میں قلب اور فواد کے مفہوم کے بارے میں جو وضاحت کی گئی ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کبھی ان دو لفظوں سے مراد دل اور انسان کا باطن نیز وجدان کے ذریعے حقائق کا ادراک کرنا بھی ہوتا ہے۔ ماہرین علم نفسیات جس چیز کو انسان کے اعلیٰ باطنی رجحانات کہتے ہیں وہ ادراک کی یہی قسم ہوتی ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق روحانی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ انسان کے اندر اور باطن میں کچھ رجحانات ودیعت کئے گئے ہیں جیسے انسان کا علم کی طرف رجحان (یعنی حقیقت کو پانے کی حس) نیکی کی طرف رجحان (جو اخلاقی حس ہے)' جمال و زیبائی کی طرف رجحان (جو حسن پسندی کی حس ہے) اور تقدس کی طرف رجحان (جو مذہبی حس ہے)۔ اگرچہ ان رجحانات کے کم یا زیادہ ہونے میں انسانوں میں باہم فرق ہے لیکن ان احساسات اور رجحانات کے موجود ہونے کے حوالے سے تمام انسان برابر ہیں۔ یہ رجحانات فطری رجحانات ہیں اور نتیجتاً کسی حد تک علم و معرفت اور شناخت کا باعث بنتے ہیں۔ جہاں ان میں اضافے اور کشش کی خصوصیت موجود ہے' وہاں یہ علم و ادارک کی خصوصیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ دو طرح سے جلوہ نما ہوتے ہیں۔

(الف) فطرت کے ذریعے

فطرت باطن کا ایک اہم جلوہ ہے جس کے بارے میں ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ سورہ الشمس کی آیات اسی مفہوم کو بیان کر رہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا

نفس کی قسم اور اس کی قسم جس نے اسے آراستہ کیا ہے اور پھر فجور اور تقویٰ کا اسے الہام کر دیا ہے۔ (۲۸)

یہ جلوہ دل اور باطن سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کوئی ایسا انسان بھی جو صحیح الخلقت ہو وہ اس سے محروم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حجت الٰہی سب لوگوں پر تمام اور مکمل ہے' جس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

(ب) کشف و شہود کے ذریعے

باطن کا دوسرا جلوہ مکتب عرفان و تصوف کے مطابق کچھ روحانی اور نفسانی ریاضتوں اور مشقوں کے ساتھ مشروط ہے۔ البتہ اس کے کئی درجات اور مراتب ہیں۔ درجات اور مراتب اللہ کے خاص اولیاء کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ یہ راہ دشوار شرائط کی بدولت بہت محدود ہے اور انسانوں میں سے بہت کم لوگوں کو ان راہوں پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے۔ اگر کوئی اس راہ پر چلے تو یہ کیفیت کے لحاظ سے حس و عقل سے برتر ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس راہ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ہم چند آیات پیش کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہماری راہوں کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم اپنی راہوں کی طرف (خصوصی طور پر) ان کی ہدایت کرتے ہیں۔ (۲۹)

سورہ طلاق میں ارشاد ہے:

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

جو کوئی تقویٰ الٰہی اختیار کرتا ہے تو خدا اس کے سختیوں سے نکلنے کے لئے راستہ بنا دیتا ہے اور جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اسے روزی دیتا ہے۔ (۳۰)

(آیت مطلق ہے اور اس اطلاق مادی اور معنوی دونوں طرح کا رزق شامل ہو جاتا ہے۔)

سورہ انفال میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا

اے ایمان لانے والو! اگر پرہیز گار بنو گے تو خدا تمہیں حق و باطل کے درمیان تشخیص کی طاقت عطا کرے گا۔(۳۱)

۴۔ وحی کے ذریعے

اگر عربی لغت کے ماہرین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کریں تو لفظ وحی کے بارے میں جو وضاحت دی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وحی تعلیم کی خاص قسم ہے جو ایک تو نہایت ہی سرعت اور برق رفتاری سے انجام پاتی ہے اور دوسرا مخفی ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں وحی مخفی تعلیم کو کہتے ہیں۔ (۳۲) راغب کہتے ہیں وحی اشارہ سریع کو کہتے ہیں۔ (۳۳) اس لئے وحی میں مفہوم کو رمز اور تیز ترین اشارے سے پہنچایا جاتا ہے۔ عربی زبان کے ان دو معروف لغت شناسوں نے اس لفظ کی دو خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک نے وحی میں "سرعت انتقال" کی طرف اور دوسرے نے اس کے مخفی ہونے کی طرف۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں خصوصیات بیک وقت وحی میں موجود ہیں اور جہاں

کہیں بھی لفظ وحی استعمال ہوا ہے اس کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اب ہم قرآن میں لفظ وحی کے استعمال کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ **وحی بمعنای طبعی ہدایت:۔** یعنی ایسے قوانین جو موجودات دنیا کی زندگی پر حاوی ہیں جنہیں فطری قوانین کہتے ہیں۔ جیسے سیاروں کی حرکت، اشیاء کی طبعی ترکیبات اور ان کے آثار اور خواص (جیسے آگ کا جلانا) چنانچہ آسمان میں حاکم فطری نظام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

اَوحٰی فِی کُلِّ سَمَاءٍ اَمرَھَا

اور اس نے ہر آسمان میں اس کے امور کی وحی کی۔ (۳۴)

یہ آیت اس بات پر شاہد ہے کہ اس آیت میں وحی سے مراد فطری قوانین اور دستور ہیں جو آسمانوں پر حاکم ہیں۔ آیت کے آخر میں یوں ہے۔

ذٰلِکَ تَقدِیرُ العَزِیزِ العَلِیمِ

یہ ہے غالب اور علیم ذات کا ہر چیز کے متعلق ایک خاص مقدار کا تعین کرنا۔ (۳۵)

۲۔ جانداروں اور خصوصاً حیوانات کی ایک مخصوص جبلت (یا سرشت) کے ذریعے ادراک مثلاً شہد کی مکھی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اَوحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحلِ اَنِ اتَّخِذِی مِنَ الجِبَالِ بُیُوتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعرِشُونَ

پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی (یعنی یہ بات سکھائی) کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں کی بلندیوں پر چھتے بنائے۔ (۳۶)

۳۔ وحی بمعنی "القاء در دل" جو صرف انسان ہی سے متعلق ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ جب بھی دل پاکیزہ ہو تو خدا کیطرف سے کچھ مفاہیم اس پر القاء ہوتے ہیں اور اگر ناپاک ہو تو شیطان کی طرف سے اس پر القاء ہوتے ہیں پہلی قسم کے متعلق ارشاد ہے:

وَ اَوحَینَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَنْ اَرضِعِیہِ...

ہم نے مادر موسیٰ کو وحی کی (یعنی اس کے دل پر القاء کیا) کہ اپنے بیٹے کو دودھ پلاؤ۔ (۳۷)

ایک دوسری جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاک سیرت اصحاب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِذْ اَوحَیتُ اِلَی الحَوَارِیِّینَ اَنْ اٰمِنُوا بِی وَ بِرَسُولِی

ہم نے عیسیٰ کے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسولؑ پر ایمان لاؤ۔ (۳۸)

حضرت یوسفؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اَوحَینَا اِلَیہِ لَتُنَبِّئَنَّھُم بِاَمرِھِم ھٰذَا وَھُم لَا یَشعُرُونَ

ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ آپ اپنے برادران کی کارگزاریوں کے متعلق انہیں

ضرور آگاہ کریں گے لیکن وہ آپ کو نہیں پہچان پائیں گے۔ (۳۹)

دوسرے کے حوالے سے (یعنی وحی شیطانی کے حوالے سے) ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآءِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ

بے شک شیاطین اپنے ساتھیوں کی طرف وحی کرتے ہیں کہ تم سے مجادلہ (جھگڑا) کریں۔ (۴۰)

ظاہر ہے کہ دل میں القاء جب بھی خدا کی طرف سے ہو اس کا "دل کی راہ" یعنی کشف و شہود کے ذریعے سے کسی چیز کے حاصل کرنے کے ساتھ چنداں فرق نہیں ہے۔ دونوں یعنی القاء اور کشف و شہود تقریباً ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ نفس کی ریاضتیں اور پرہیز گاری دل کے آئینے کی نجاست کو زنگ سے پاک کرتی ہیں اور حقیقت کا چہرہ اس میں نمایاں ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت انسان کے باطن میں ایک روشن معرفت کی صورت میں نمایاں ہو جاتی ہے۔

۴۔ وحی نبوت

وحی کی یہ قسم مخصوص ہے پیغمبروں کے لئے، چاہے صاحب شریعت پیغمبر ہوں یا نہ ہوں، جیسے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور پیغمبر گرامی آخر الزمان اور دیگر پیغمبران خدا وحی نبوت سے مربوط آیات بے شمار ہیں نمونے کے طور پر، اور بات کو واضح کرنے کے لئے ہم صرف ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ

ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسا کہ ہم نے نوح اور اس کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف وحی کی۔ اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی۔ (۴۱)

پیغمبران الٰہی پر جو چیز وحی ہوئی اس کا تعلق الٰہی معارف، عملی احکام، اخلاقی قوانین، تاریخی واقعات، اخروی زندگی اور اس طرح کے دیگر مسائل سے تھا جو سب معنوی ہدایت کی خاطر اور بشر کی تربیت اور رشد، اور اس کی بلندی کی خاطر وضع کئے گئے جس کے نتیجے میں عام انسان، انسان کے بارے میں مہم معارف، کائنات کی مخلوقات اور جہان کے متعلق اہم معارف حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تاکہ اپنی ہر حسی اور عقلی معرفت کو کمال تک پہنچائے اور پھر اعلیٰ دینی تعلیمات کے تقاضوں کے مطابق ہدایت پائے۔

معرفت فطری کسے کہتے ہیں

لفظ فطرت، مخلوق کی ایک خاص نوع پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس کا وزن "**فعلة**" ہے

جو مصدر نوعی کہلاتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فعل کس طرح (یا کس نوع کا) سرانجام پایا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جلست جلسة الامیر میں امیر کی طرح بیٹھا

ابن اثیر کہتے ہیں "کہ فطر بر وزن دھر ہے جس کا معنی ابتداء کرنا اور ایجاد کرنا ہے۔ اور فطرت اس کی حالت کو بیان کرنا ہے یعنی (فلاں کام) کس طرح ہوا۔ اور اس حدیث نبوی سے مراد جس میں ارشاد فرمایا کل مولود یولد علی الفطرة اس کا مفہوم یہ ہے کہ سرشت اور فطرت باقی رہے تو کبھی بھی دین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے گا۔ اور خارجی عوامل کی بناء پر دین سے عدول کر جانے کی مثال تقلید کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت فاطر السموٰات والارض کا معنی مجھے معلوم نہ تھا یہاں تک کہ ایک کنویں پر دو اعرابی میرے سامنے جھگڑ پڑے۔ ان میں سے ایک نے کہا انا فطرتها پہلے میں نے اس کو کھودا ہے پس مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ فطر کا معنی ہے کسی چیز کو ایجاد کرنا (۴۲) بنا برایں خدا کی طرف سے کائنات کی تخلیق اسی طرح کی ایجاد ہے اور اسکی طرف سے اسے وجود بخشا گیا ہے ایک تو اس لئے کہ خدا نے عالم کو عدم سے وجود دیا ہے اور پھر اسے اس "مادے" سے اس کی ترکیب اور صورت گری کی ہے جیسے بھی خلق کیا خود ہی خلق کیا۔ جبکہ وہ صورت کشی جو غیر خدا کی طرف سے انجام پاتی ہے۔ اس مادے (یا مواد سے ہوتی ہے جو خدا ہی کا خلق کردہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ دنیا کی ترکیبی ہیت کا نقشہ بھی اسی کا ایجاد کردہ ہے اور تخلیق کردہ ہے۔ جو قبل ازیں نہ تھا یعنی خدا نے کسی اور سے اسے اخذ نہیں کیا۔ جبکہ غیر خدا جو کچھ بھی جانتا ہے وہ خود خدا ہی کی طرف سے (دی گئی عطا) ہے۔

قرآن کریم نے جہاں تمام موجودات کی خلقت میں "فطرت" کو استعمال کیا ہے اور خدا کو فاطر السموات والارض قرار دیا ہے۔ وہاں خود انسان کے متعلق مخصوص فطرت کی بات بھی کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

دین حنیف پر قائم رہو۔ یہ ایک ایسا دین ہے جو فطرت الٰہی کے تقاضوں کے مطابق ہے وہی فطرت جس پر انسانوں کی تخلیق کی گئی ہے۔ خدا کی تخلیق میں ردو بدل ممکن نہیں۔ یہ دین انسانی سعادت اور اس کی تکمیل کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۴۳)

یہ آیت واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان خصوصی تخلیق رکھتا ہے جس کے سبب وہ دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور یہ خصوصی تخلیق دین ہی کے ذریعے اپنا وجود اور

شکل اختیار کرتی ہے۔ وہ دین جس کی بنیاد خود انسان کی سرشت میں اور اس کی تخلیق میں موجود ہے اور اس کے وجود کے پیکر اور زندگی کے پہلوں کیساتھ ہم آہنگ ہے اور وہی دین اسلام ہے۔ یعنی خدا اور اس کے فرامین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ

خدا کے نزدیک دین' اسلام ہے۔ (۴۴)

مَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْہُ

جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۴۵)

اور چونکہ اس دین کی اساس اور حقیقت توحید ہے اسی لئے روایات میں دین فطری کی تفسیر "توحید" کی گئی ہے۔(۴۶) بنا برایں فطرت اگر طبیعت اور بے جان موجودات اور نباتات میں استعمال ہو یا فطرت بمعنی سرشت یا جبلت جن کا تعلق جانداروں کی دنیا سے ہے' میں استعمال ہو تو اس لحاظ سے ہے کہ چونکہ یہ سب تکوینی اور تخلیقی ہیں اور قلم آفرینش نے سب کو تخلیق کیا ہے اس لحاظ سے فطرت تقریباً" سب میں ایک ہی معنی میں ہو گی۔ لیکن انسانی حوالے سے دیکھیں تو انسان میں ایک خصوصیت شمار ہوتی ہے لھذا دوسروں (میں فطرت کے مفہوم) سے تفاوت رکھتی ہے۔

طبعاً" اس خصوصیت کو انسانی کی عاقلانہ زندگی میں تلاش کیا جائے۔ کیونکہ دین بھی اسی آسمانی عنصر سے مربوط ہے۔ یعنی عنصر عقل و خرد جو خوبی کو بدی سے تمیز دیتا ہے اور حقائق کے ادراک اور کلی اقدار سے طاقت ور ہے اور فلسفی تعبیر کے مطابق فطرت کا جبلت سے یا سرشت سے باہمی فرق "تشکیلی" تفاوت ہے کہ جس کا تعلق وجود کے کمال اور نقص کی طرف پلٹتا ہے۔

نظری اور عملی فطریات: جو انسان کی فطرت اور سرشت کا تقاضا ہے وہ دو طرح کا ہے۔ بسا اوقات اس کی معرفت "بالفعل" مستحق ہوتی ہے جیسے انسان کا اپنے بارے میں وجدانی ادراک اور کبھی اس کا مستحق ہونا (یا وقوع پذیر ہونا) "بالقوہ" ہوتا ہے۔ یعنی انسان اس کی صلاحیت یا استعداد رکھتا ہے جیسے انسانی کمالات جو علم و عمل کے ذریعے انسان حاصل کر سکتا ہے۔

فی الحال ہماری گفتگو پہلے سے متعلق ہے جسے انسان کی تخلیق اور اس کے باطن کا سرمایہ کہنا چاہیے۔ اس فطری سرمائے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک نظری اور دوسرا عملی' نظری فطریات ان بدیہی اور واضح ادراک کو کہتے ہیں جو براہ راست عمل و کردار سے تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً مفاہیم کا ادراک' ضروری احکام کا ادراک' اسی طرح امکان' امتناع' تناقض وغیرہ کا ادراک لیکن عملی فطریات ان بدیہی ادراکات کو کہتے ہیں جو براہ راست عمل و کردار سے مربوط ہیں مثلاً نیکی اور اچھائی کا ادراک' شکر منعم بجا لانے کا ادراک' عدل و انصاف' صدق و سچائی' عہد پیمان کی وفا' احسان کا بدلہ

احسان، ناشکری اور کفران نعمت کے قبیح ہونے کا ادراک، ظلم، وستم، جھوٹ، خیانت، پیان شکنی، اور نیکی کے بدلے بدی کرنا اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے قبیح ہونے کا ادراک

اب ہم اس بارے میں گفتگو کریں گے کہ فطرت کے ان دو سرمایوں کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

ج:۔ قرآن پاک میں معرفت فطری کی مثالیں

ا۔ انسان اور خود آگاہی

انسان کی فطری معرفتوں میں سے ایک خود آگاہی ہے۔ یعنی انسان اپنے صفات اور حالات کے متعلق آگاہ ہے۔ اگرچہ یہ عین ممکن ہے کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر بعض خاص اغراض کی بنا پر ان کے اظہار یا اقرار یا تسلیم سے انکار کردے۔ قرآن اس بارے میں فرماتا ہے

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ؕ

بلکہ انسان اپنے آپ کے بارے میں آگاہ ہے اگرچہ عذر تراشی کرے۔ (۴۷)

اگرچہ یہ آیات، اس سے پہلے والی آیات کے سیاق کے مطابق قیامت اور مابعد قیامت کے بارے میں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو اس کے کئے گئے اعمال کے متعلق آگاہ کیا جائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ انسان نے جو کچھ عمل کیا ہے اور جو کچھ انجام دیا ہے اس کے متعلق آگاہ ہے اس کو اس کے اعمال کے متعلق بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں لیکن یہ بات آیت کے عموی معنی اور مدلول سے مانع نہیں بنتی خصوصاً" وہ احادیث جو آئمہ طاہرین سے مروی ہیں کہ جن میں ان آیات کو دوسرے مقامات پر بھی منطبق کیا گیا ہے طبرسی نے مجمع البیان میں زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق(ع) سے اس بیماری کی حد پوچھی جو مجوز افطار ہے۔ تو امام(ع) نے یہ آیت تلاوت فرمائی بل الانسان علی نفسه بصیرة اور فرمایا وہ اپنی طاقت وتوانائی کے متعلق بہتر جانتا ہے لہذا اس کی تشخیص کامعاملہ خود اس کے سپرد کردیا جائے۔ (۴۸)

۲۔ انسان اور خدا خواہی

قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا پرستی انسانی فطری رجحانات میں سے ہے اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس فطری محبت کو غیر خدا کی طرف بھی لے جائے۔ یعنی غیر خدا کو خدا کی جگہ لے آئے۔

انہی آیات میں سے ایک سورہ بقرہ کی آیت ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

بعض لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو محبوب بنائے رکھتے ہیں اور ان سے یوں محبت

کرتے ہیں جیسے اللہ سے کی جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ خدا سے شدید محبت کرتے ہیں۔ (۴۹)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں کچھ ایسے ہیں جو صرف خدا کو دوست رکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو غیر خدا کو خدا کی جگہ دوست رکھتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ ہر دو قسم کے لوگ درحقیقت خدا کو دوست رکھتے ہیں البتہ اس فرق کیساتھ کہ ایک گروہ (یعنی کافروں اور مشرکوں نے) وہ جو خدا نہیں ہیں' خدا کا لبادہ پہنا رکھا ہے اور (ان کو خدا بنا کر) ان سے محبت رکھتے ہیں اور دوسرا گروہ (مومنین) خود خدا سے شدید محبت کا اظہار کرتا ہے۔ پس اگر ان دونوں میں فرق ہے تو دراصل محبوب کے مصداق میں ہے نہ کہ کمال مطلق کی نسبت' اصل حب میں۔

ایک دوسری آیت جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے وہ آیت ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں پر اتمام حجت کی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ

جب رات ہوگئی تو انہوں نے ستارہ دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ اور جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۵۰)

حضرت ابراہیمؑ نے اس آیت میں اپنی محبت کو استدلال کی "بنیاد" قرار دیا ہے اور یہ استدلال اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب مشرکوں کے ضمیر کے اندر بھی معبود سے محبت موجود ہو یہ اور بات ہے کہ وہ محبوب کی تشخیص میں اشتباہ اور غلطی کر رہے ہوں۔ لہذا حضرت ابراہیم نے ستارے کے ڈوب جانے کی دلیل دے کر اس کی ناپائیداری اور ابدی نہ ہونے کی دلیل دی ہے' مشرکوں کے مصداق میں اشتباہ کو واضح کیا ہے۔

علم منطق کے اصول کے مطابق یہ استدلال اس طرح ہوگا۔

۱۔ میں رب وپروردگار کو دوست رکھتا ہوں۔ ۲۔ میں اس چیز کو جو ڈوب جائے اور جاوداں نہ ہو دوست نہیں رکھتا۔ ۳۔ پس جو ڈوب جائے میرا پروردگار نہیں ہے استدلال کے پہلے دو مقدمے انسان کے فطری بدیہیات سے ہیں۔

انسان جو پروردگار سے محبت رکھتا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنی سعادت کو اس کی عنایت اور تدبیر امور میں منحصر سمجھتا ہے یعنی وہی اس کو نفع پہنچا سکتا ہے اور وہی اس سے ضرر کو دور کرسکتا ہے تو جو ناپائیدار ہے' اپنی ناپائیداری کے پیش نظر وہ انسانی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کراسکتا۔ مگر یہ کہ وہ غیر طبیعی یا غیر فطری ماحول اور اسباب میں گھر جائے اور یہ ہمارے فرض سے خارج ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ قرآن کریم انسان کو ظاہری دنیاوی زندگی سے وابستہ ہونے سے ڈراتا ہے وہ اسے شائستہ نہیں سمجھتا۔ اور اسے خدا کی رضا کے حصول اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ (۵۱)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى

جو خدا کے پاس ہے بہترین اور پائیدار ہے۔ (ہمیشہ باقی رہنے والا) (۵۲)

بنابراین حضرت ابراہیم کی کلام کا ماحصل جس میں ارشاد فرمایا "انی لا احب الآ فلین" یہ ہے کہ وہ چیز جیسے زوال اور دگر گونی کا خطرہ ہو اور اس میں ثابت قدمی اور استقرار نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اس سے دل بستہ ہوا جائے جبکہ حکم عقلی و فطرت کے مطابق واجب ہے کہ انسان اپنے پروردگار سے محبت رکھے پس ستارہ اوراس قسم کی دوسری چیزیں جو فنا اور زوال کے خطرے سے دوچار ہیں شائستہ مقام ربوبیت نہیں ہیں۔ یہ استدلال جہال برھانی اور یقین آور ہے وہاں سادہ اور بالکل واضح ہے۔ (۵۳)

یہاں مناسب ہوگا کہ نامور عارف' مرحوم شاہ آبادی کی بات نقل کی جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ابراھیمؑ نے برھان فطرت کے ذریعے جھوٹے خداؤں کی خدائی کی بھی نفی کی اور خدا کی الوھیت کو بھی ثابت کیا اس لیے کہ نقص' فطرت کی طرف سے ناپسندیدہ ہے' اور افول وغروب نقص ہے۔

پس ناقص' انسان کا رب اور اس کی اصل نہیں ہو سکتا اور وہ وہی وھی فاطر السموات والارض ہے کہ سب فطرت اس محبت میں گرفتار ہیں پس وہ رب العالمین ہے۔ پس حضرت خلیل نے ان خداؤں کو نقص کی وجہ سے رد کیا ہے جسے فطرت ناپسند کرتی ہے اور خداوند کی الوھیت کو فطرت کے "کمال سے محبت" کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ (۵۴)

۳۔ اچھائیوں اور برائیوں کے اصول کا ادراک:۔

قرآنی نقطہ نظر کے مطابق انسان کی فطری معرفتوں میں سے ایک' اس کی خوبی اور بدی کے اصول کی معرفت ہے۔ اس مفہوم پر جو آیت سب سے واضح دلالت کر رہی ہے وہ سورہ شمس کی آیت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَ نَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا

نفس انسانی کی قسم اور اسے موزوں اور معتدل تخلیق کرنے والے کی قسم' پس بدی اور اچھائی کا اس کی طرف اس (اللہ) نے الھام کر دیا۔ (۵۵)

اس آیت میں الھام' یعنی اسے نیکی اور بدی کے افعال کا خدا کی طرف سے سکھا دینا موزوں اور معتدل نفس پر "فرع" قرار دیا گیا ہے۔ یعنی نفس انسان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ خوبی اور بدی کو درک کرتا ہے اور یہ ادراکات بلاواسطہ خدا کی طرف سے انسان پر الھام کیا گیا ہے۔ یہ حس' فکر یا دین کی تعلیم کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔ البتہ دینی تعلیمات اس بارے میں یادھانی کا کام کرتی ہیں۔

اس مفہوم پر وہ آیات بھی گواہ ہیں جو فلسفہ نبوت' اور دینی اوامر و نواہی کو تذکر' موعظہ اور پند و نصیحت قرار دیتی ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ

خدا' عدل' نیکی اور اپنے رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور فحشاء اور منکر چیزوں سے روکتا ہے اور اسطرح تم کو وعظ و نصیحت کرتا ہے تاکہ تمہیں یاد آوری ہو سکے۔ (۵۶)

ایک دوسری آیت میں پیغمبر گرامی کا تعارف "متذکر" اور "یاددھندہ" کے عنوان سے کرایا گیا ہے۔

فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ

یاد دھانی کراؤ۔ آپ صرف یاد دھانی کرانے والے ہیں۔ (۵۷)

مندرجہ ذیل آیات میں بھی آنحضرت کی رسالت کو تذکر اور یاد دھانی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کَلَّآ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ

قرآن موعظہ اور نصیحت ہے۔ (۵۸)

اسی طرح ارشاد ہے کہ قرآنی آیات حق و باطل کی یاد دھانی کرانے والی ہیں۔

کَلَّآ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ

قرآنی آیات حق و باطل کی یاد دھانی کرانے والی ہیں۔ (۵۹)

سورہ انعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ

نہیں ہے قرآن مگر دنیا کو یاد دلانے والا۔ (۶۰)

وہ آیات جن میں فلسفہ پیامبر اکرم' اور فلسفہ تعالیم و احکام قرآن انسانی تذکر اور یاد آوری قرار دیتی ہے بہت زیادہ ہیں اور مذکورہ سطور میں پیش کئے گئے (آیات) ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

تذکرہ والی آیات کو مندرجہ ذیل صورت میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پیغمبر گرامیؐ کی نبوت عام اور جہانی ہے۔
۲۔ نبوت کی غرض و غایت افراد کو حق و باطل اور نیکی اور بدی کی نسبت تذکر اور یاد آوری ہے۔
۳۔ تذکر اور یاد آوری وہاں ہوتی ہے جہاں فرد یا افراد کسی چیز کو پہلے سے جانتے ہوں لیکن اس کو بھلا بیٹھے ہوں یا اس پر عمل پیرا نہ ہوتے ہوں۔
۴۔ انسانی معاشرے میں ایسے افراد بھی تھے اور ہیں جو آسمانی شریعتوں کے منکر ہیں اور اصول حق، باطل اور نیکی اور برائی کو پیغمبران الٰہی اور شرائع آسمانی کے ذریعے انہوں نے حاصل نہیں کیے۔
۵۔ بنا بر این ان حقائق کی معرفت کی بنیادیں انسان کی خلقت اور فطرت میں موجود ہیں۔

جی ہاں! موعظہ اور تذکر سے بہرہ مند ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان خود پرستی اور بے جا ضد چھوڑ دے اور اس کے باطن میں خشیت الٰہی تجلی کرے اسی لئے بعض قرآنی آیات میں پیغمبر گرامیؐ کی رسالت کا ہدف اصل خشیت اور اصل تقویٰ کا تذکر قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا

آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو قیامت سے) ڈرنے والا ہو۔ (۶۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى

کہ موسیٰ و فرعون کی داستان میں اہل خشیت افراد کے لئے عبرت ہے۔ (۶۲)

یعنی انسان عذاب اور بد بختی سے ڈرے چونکہ عذاب اور شقاوت سے ڈرنا فطری احساس اور ادراک ہے۔ بنا بر این جو اپنی فطرت سلیم کی پیروی کرے گا وہ رسالت کی نصیحتوں سے بہرہ مند ہو گا۔ (۶۳) (باقی آئندہ)

***

حوالہ جات

۱۔ سورہ النحل ۷۸
۲۔ مومنون ۷۸
۳۔ السجدہ ۹
۴۔ راغب اصفہانی، مفردات، ص ۲۴۲
۵۔ تفسیر المنار، ج ۱، ص ۱۳۵، طبع دار المعرفہ
۶۔ ق، ۳۷
۷۔ ملک، ۱۰
۸۔ تفسیر المیزان، ج ۱۸، ص ۳۵۲
۹۔ مفردات راغب، ص ۳۸۴، کلمہ فکر
۱۰۔ ن، مصدر ص ۳۴۲، کلمہ عقل
۱۱۔ ن، مصدر، ص ۴۴۶، کلمہ لب
۱۲۔ انفال، ۲۲
۱۳۔ یونس، ۱۰۰
۱۴۔ الحشر، ۲۱
۱۵۔ آل عمران، ۱۹۰
۱۶۔ ق، ۳۷

۱۷۔ اعراف' ۱۷۹ ۱۸۔ حج' ۴۶ ۱۹۔ محمد' ۲۴

۲۰۔ احزاب' ۱۰ ۲۱۔ غافر' ۱۸ ۲۲۔ مفردات راغب ص ۴۱۱ کلمہ قلب

۲۳۔ بقرہ ۲۲۵ ۲۴۔ المیزان' ص ۲۲۳ ۔ ۲۲۴

۲۵۔ تفسیر المنار' ج ا' ص ۳۵۲' طبع بیروت ۲۶۔ ھود' ۱۲۰

۲۷۔ قصص' ۱۰ ۲۸۔ الشمس' ۷' ۶ ۲۹۔ عنکبوت' ۶۹

۳۰۔ طلاق' ۲۔۳ ۳۱۔ انفال' ۲۹ ۳۲۔ ابن فارس' مقاییس اللغۃ ج ۶' ص ۹۳

۳۳۔ مفردات راغب ص ۵۱۵ ۳۴۔ فصلت ۱۲ ۳۵۔ فصلت ۱۲

۳۶۔ النحل ۶۸ ۳۷۔ قصص ۷ ۳۸۔ مائدہ ۱۱۱

۳۹۔ یوسف ۱۵ ۴۰۔ انعام ۱۲۱ ۴۱۔ نساء ۱۲۳

۴۲۔ نہایہ ابن اثیر' ج ۳' ص ۴۵۸ ۴۳۔ روم' ۳۰

۴۴۔ آل عمران ۱۹ ۴۵۔ آل عمران ۸۵

۴۶۔ توحید' صدوق باب ۵۳' ص ۳۲۸ ۴۷۔ قیامت' ۱۴۔۱۵

۴۸۔ مجمع البیان ج۹۔۱۰' ص ۳۶۶' طبع بیروت ۴۹۔ سورہ بقرہ ۱۶۵

۵۰۔ انعام ۷۶ ۵۱۔ النحل ۹۶ ۵۲۔ الشوری ۳۶

۵۳۔ المیزان' ج ۷' ص ۱۸۵ ۔ ۱۹۶

۵۴۔ الانسان و الفطرۃ' ص ۲۴۵ ۔ ۲۴۸ نقل از کتاب مبداء و معاد' جوادی آملی ص ۱۰۱۔۱۰۲

۵۵۔ الشمس ۷ ۵۶۔ النحل ۹۰ ۵۷۔ غاشیہ ۲۱

۵۸۔ مدثر ۵۴ ۵۹۔ عبس ۱۱ ۶۰۔ انعام ۹۰

۶۱۔ نازعات ۴۵ ۶۲۔ نازعات ۲۶ ۶۳۔ المیزان ج۲' ص ۱۸۹

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ

اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال کریں تو (ان سے کہو کہ) میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار پر میں اسے جواب دیتا ہوں۔ پس وہ میری دعوت کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لے آئیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ (البقرہ' ۱۸۶)

قرآن مجید اور سائنس

علامہ شیخ محسن علی نجفی

زمین

ماہرین جیالوجی اپنی سالہا سال کی تحقیقات کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ زمین ابتدا میں ایک **آتشیں** کرہ تھی۔ اس کے بعد تدریجاً سرد ہونا شروع ہو گئی، پھر بارش کا دور شروع ہوا، اس کے بعد سبزہ اُگنا شروع ہوا، چنانچہ قرآن مجید زمین کے ارتقائی مراحل کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

والارض بعد ذلک دحاھا اخرج منھا ماءھا و مرعھا

اس کے بعد زمین کو بچھایا، اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا۔ (۱)

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ پہلا مرحلہ زمین کی تخلیق و تکوین کا تھا، دوسرا مرحلہ دحو الارض کا اور تیسرا مرحلہ سبزہ اگانے کا تھا۔ زمین کے ارتقائی مراحل کو دوسری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون لہ انداداً ذلک رب العالمین و جعل فیھا رواسی من فوقھا و بارک فیھا و قدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء لسائلین

اور کہیے! تم اس خدا کے منکر ہو جس نے زمین کو دو روز میں خلق کیا۔ اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو وہی تو سارے جہاں کا رب ہے۔ اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اسی نے زمین کو زرخیز بنایا اور اس نے چار روز میں حاجت مندوں کی ضرورتوں کے مطابق غذائیں مقدر فرمائیں (۲)

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کو خلق فرمایا۔ اس کے بعد اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ اس کے بعد زمین کو قابل سکونت بنا دیا اور پھر زمین پر بسنے والوں کے لئے خوراک پیدا کی۔

حرکت زمین

اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

والارض بعد ذلک دحاھا

اس کے بعد زمین کو حرکت دی۔ (۳)

مفسرین نے "دحو" سے مراد بچھانا لیا اور اسی مفہوم میں تفسیر و ترجمہ کیا ہے' کیونکہ قدماء کے لئے حرکت ارض ایک ناقابل تصور و توجیہ امر تھا۔ تاج العروس نے "دحو" کے معنی یہ لکھے ہیں۔

دحا السیل بالبطحاء رمی و المطر الداحی الذی یدحو الحصی عن وجہ الارض ینزعہ

یعنی سیلاب نے کنکروں کو دور پھینک دیا' اس بارش کو المطر الداحی کہتے ہیں جو کنکروں کو زمین سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

مجمع البیان میں ہے: الدحی الرمی بقص یعنی طاقت کے ساتھ دور پھینکنے کو الدحی کہتے ہیں۔ المنجد میں لکھا ہے۔ دحی الحجر بیدہ رمی بیدہ یعنی "دحی الحجر بیدہ" کے معنی یہ ہوئے ہیں کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اس اعتبار سے مذکورہ آیت کے معانی یہ بنتے ہیں: اس کے بعد زمین کو حرکت دے دی۔ دوسری جگہ زمین کی حرکت کی طرف ایک لطیف اشارہ ملتا ہے۔

الذی جعل لکم الارض مھدا

وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے گہوارہ بنایا۔ (۴)

زمین کو گہوارہ کے ساتھ **تشبیھہ** دیکر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمین انسانوں کے لئے گہوارہ ہے اس لئے کہ اس کی حرکت میں سکون' گردش میں لذت اور جنبش میں تنوع ہے۔ زمین کی حرکت کو مزید وضاحت کے ساتھ قرآن و سنت میں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ قرآن ایک ایسے زمانے میں نازل ہو رہا تھا جس میں حرکت زمین کسی اعتبار سے بھی ناقابل فہم بات تھی' اگر لوگوں کی فکری سطح سے ہٹ کر کوئی مطلب بیان کیا جائے تو اصل مقصد سے ہٹ کر اسی بات کو سمجھانے' اس کا دفاع کرنے اور اس کی توجیہہ کرنے پر وقت اور توانائی صرف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

کلم الناس علی قدر عقولھم

لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق بات کیا کرو۔

جنبش زمین

بارش اور پانی کی وجہ سے زمین میں شگاف پڑ جاتا ہے اور پودوں کی جڑیں زمین کی تہہ میں چلی جاتی ہیں' پھر ان جڑوں سے چھوٹی اور باریک شاخیں نکلتی ہیں اور ہر طرف پھیل جاتی ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ایک امر مسلم ہے کہ پودے اپنی ضروریات کا پانچ فیصد زمین سے حاصل کرتے ہیں جبکہ باقی ضروریات ہوا سے لیتے ہیں۔ ان دو نکات کی طرف قرآن مجید کا کس قدر حیرت انگیز اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

و تری الارض هامدة فا ذا انزلنا علیها الماء اهتزت و ربت و انبتت من کل زوج بهیج

اور تو زمین کو خشک حالت میں دیکھتا ہے اور جب اس پر ہم پانی برساتے ہیں تو یہ جنبش میں آ جاتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوش نما نباتات اگاتی ہے۔ (۵)

پانی برسنے سے زمین میں دو کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک تو اس میں جنبش پیدا ہوتی ہے جس سے نباتات اگتے ہیں اور دوسرا زمین کے حجم میں اضافہ ہوتا ہے' چنانچہ زمین کے مساموں میں ہوا ہوتی ہے ان میں جب پانی داخل ہو جاتا ہے تو یہ ہوا زمین کے اندر چلی جاتی ہے' جس کی وجہ سے زمین میں جنبش کے ساتھ ساتھ اسکے حجم میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

زمین در فضا

قرآن مجید ایسے زمانے میں نازل ہوا جس میں زمین کے بارے میں لوگوں کا نظریہ اس حد تک خرافاتی تھا کہ وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے یا نہنگ کے پشت پر واقع ہے' ایسے ماحول میں قرآن ارشاد فرماتا ہے۔

ان اللّٰه یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا و لئن زالتا ان امسکهما من احد من بعده انه کان حلیما غفورا

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور اگر یہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اس (اللہ) کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔ بے شک وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔(۶)

اس آیت میں **یمسک** کا لفظ آیا ہے جس کے معنی تھامنے اور روکے ہوئے کے ہیں۔ حضرت علیؑ نے اسی سلسلے میں فرمایا ہے۔

انشاء الارض فاسکها من اشتغال و ارساها علی غیر قرار و اقامها بغیر دعائم و حصنها من الاود و الا عوجاج و منها م التهانت و الانفراج

وہ زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھے ہوئے اسے برابر روکے تھامے رہا اور بغیر کسی چیز پر لٹکائے ہوئے اسے برقرار کر دیا اور بغیر ستونوں کے اس نے قائم اور بغیر ستونوں کے اسے بلند کیا۔ کجی اور جھکاوے سے اسے محفوظ رکھا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے اور پھٹنے سے اسے بچائے رکھا۔ (۷)

الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا

کیا ہم نے زمین کو مردوں اور زندوں کو لیکر محو پرواز نہیں بنایا۔ (۸)

تاج العروس میں لکھتے ہیں **کفت الطائر وغیرہ یکفت کفتا و کفاتا ککتاب و کفیتا کامیر۔ اسرع فی الطیران** یعنی کفات' سرعت سے پرواز کرنے کو کہتے ہیں۔ صحاح اللغۃ میں لکھتے ہیں **الکفت السوق شدید** شدت سے چلانے کو کہتے ہیں۔ لسان المیزان میں لکھتے ہیں۔ **عدو کفیت و کفات ای سریع** تیزی سے دوڑنے کو عدو کفیت یا کفات کہتے ہیں۔ قدماء کے لئے زمین کی پرواز قابل فہم نہ تھی اس وجہ سے کفات کے معنی جمع کے لئے ہیں اور آیت کے یوں معنی کئے ہیں۔ کیا ہم نے زمین کو "مردوں اور زندوں کو سمیٹنے والی" نہیں بنایا؟ کفاتا" مصدر ہے یا مفعول مطلق ہے۔ فعل محذوف ہے یعنی **تکفت کفاتا**" اور **کفاتا" بمعنی اسم فاعل آ سکتا ہے' اس صورت میں احیاء و امواتا** حال بنے گا یا مفعول بہ یعنی زندوں اور مردوں کو لیکر پرواز کرنے والی زمین۔ البتہ کفات کے معنی جمع کے لئے جائیں تو اس میں زمین کی کشش کی طرف ایک لطیف اشارہ مل سکتا ہے۔

زمین کا انسانی اعمال ریکارڈ کرنا

قیامت کے دن زمین کی طرف سے انسانی اعمال کی گواہی اور انسان کے نفس اعمال کے مشاہدے کے بارے میں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔

یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحی لھا

اس روز (زمین) اپنی ساری خبریں بیان کر دے گی۔ یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار نے زمین کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

اقراء کتابک کفی بنفسک الیوم حسیبا"

اپنا نامہ اعمال پڑھ۔ اپنے حساب کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔(۹)

قیامت کے دن انسان اپنے اعمال پر اسطرح آگاہ ہو جائیں گے گویا وہ اپنی فلم دیکھ رہے ہیں

قدماء کے لئے نفس عمل کے دکھائے جانے کا تصور ناقابل فہم تھا اس لئے انہوں نے تجسم عمل کے نظریئے کی تاویل کی اور کہا۔

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا" یرہ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یرہ

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہو گی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ عمل کی جزاء اور سزا دیکھے گا۔ خود عمل تو دنیا میں ہو چکا وہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اس آیت سے پہلے صراحتہ "کہا گیا لیروا اعمالھم تاکہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔ اس صراحت کی بھی وہ تاویل کرتے تھے کہ اعمال مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔

لیکن آج اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آوازیں اور شکلیں فضائے زمین سے ناپید نہیں ہوتیں اور زمین انسانی حرکات و سکنات اور اقوال کو اپنے اندر ضبط اور محفوظ کر لیتی ہے۔ نیز ارشاد الٰہی ہے۔

و وجدوا ما عملوا حاضرا" و لا یظلم ربک احدا"

اور انہوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (۱۰)

مفسرین نے یہاں بھی یہ تاویل کی کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو کر سامنے موجود پائیں گے۔ یہ تاویلات اس لئے ہوتی تھیں کہ قدیم علماء کے لئے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ یہ زمین ایک کتاب ہے جس میں اعمال ثبت رہتے ہیں۔ سائنسدان اب اس کوشش میں ہیں کہ زمانہ گذشتہ کی آوازوں کو دوبارہ سن لیں۔ اس سے اب یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کا ہر عمل اس کتاب آفاق میں ضبط اور ثبت ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

و یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید

منہ سے کوئی لفظ نکلا تھا مگر اینکہ اس کے پاس ایک تاک میں لگا رہنے والا (ہر وقت) آمادہ ہے۔ (۱۱)

چنانچہ جب انسان اس آفاقی کتاب کا بروز قیامت مشاہدہ کرے گا تو کہے گا:

یا ویلنا ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرة و لا کبیرة الا احصاھا

ہائے بد بختی اس نامہ اعمال کی حالت عجیب ہے کہ اس نے نہ چھوٹا چھوڑا ہے نہ بڑا سب کو درج کیا ہے۔ (۱۲)

انسان خود اپنے نفس اعمال کو قیامت کے دن کیسے دیکھ سکے گا؟ اس بات کو قرآن مجید نے بتا دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لقد کنت فی غفلة من ھذا فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید

تو قیامت کے دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ (۱۳)

تجسم اعمال کی دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سائنسی اعتبار سے جیسا کہ مادہ انرجی میں بدل جاتا ہے۔ انرجی بھی مادہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا انسانی اعمال اگرچہ انرجی ہیں کل بروز قیامت یہ اعمال مادے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ چنانچہ بعض روایات سے بھی اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ انسانی تسبیح و تمجید جنت میں خشت وخاک کی صورت اختیار کر کے اس کے لئے قصر و محل تعمیر ہوگا۔

استخوان

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہڈیاں اعصاب پر براہ راست اثر ڈالتی ہیں اور تولید نسل میں ہڈیوں کا بڑا دخل ہے' ہڈیوں میں غذائی مواد کا ایک ذخیرہ جمع رہتا ہے جس سے جسم ہنگامی غذائی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ خون میں موجود سرخ جراثیم کی وجہ سے جسم انسانی میں خون فعالانہ کردار ادا کرتا ہے اور ہر منٹ میں ۱۸۰ ملین جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔ انکی جگہ تازہ جراثیم پیدا کرنے کی ذمہ داری ہڈیوں پر عائد ہوتی ہے۔

ہڈیوں سے بہت سے موروثی مسائل حل ہو جاتے ہیں' سائنسدان مردوں کی ہڈیوں سے ان کی عمریں' مرض' جنس' قد' نسل' جرم' غرض انکی زندگی اور ماحول وغیرہ کی پوری تاریخ کا مطالعہ کر لیتے ہیں۔ خالق ہڈیوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامه

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔ (۱۴)

وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما"

اور ہڈیوں کا مطالعہ کرو۔ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔ (۱۵)

عناصر کی مقدار

کائنات میں موجود عناصر ایک خاص مقدار کے تحت تشکیل پاتے ہیں' عناصر کی اپنی ذاتی تشکیل یا دوسرے عناصر کے ساتھ اتحاد دونوں باتیں ایک معینہ مقدار اور ایک آفاقی محکم قانون کے تحت انجام پاتی ہیں۔ عناصر کی تشکیل میں ایک جامع آفاقی نظام کے انکشاف کے بعد **سائنسدانوں** نے دیکھا کہ مختلف عناصر کے درمیان کچھ کڑیاں غائب ہیں۔ ان کو موجود ہونا چاہیں اور انکو تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعد میں عین اس تسلسل کے مطابق جدید عناصر کا انکشاف ہوا اور تشکیل عناصر کے آفاقی نظام کے تحت کڑیاں مل گئیں۔ چنانچہ شمسی نظام کے تحت مشتری اور مریخ کے درمیان کڑیاں نہیں ملتی تھیں اور سائنسدانوں نے پیشگوئی کی تھی کہ ان دونوں سیاروں کے درمیان ایک اور سیارہ ہونا چاہیے اور ہے۔ تلاش کرنا چاہیے' چنانچہ بعد میں اس سیارے کا انکشاف ہوا اور کڑیاں مل گئیں۔

عناصر کے آپس میں اتحاد کے لئے بھی ایک محکم نظام کار فرما ہے کہ ایک پروٹون (PROTON) کے مدار میں آٹھ سے زیادہ الیکٹرون (ELECTRON) کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کوئی عنصر سات الیکٹرون پر مشتمل ہے تو اس کو اس عنصر کے ساتھ اتحاد کرنا ہو گا۔ جس کے مدار میں صرف ایک الیکٹرون ہے۔ اس طرح کائنات میں تمام عناصر کا اتحاد اس (**نظام هشتگانه**) کے تحت قائم ہے' عناصر کے موضوع میں نظام قدرت اور معرفت خالق کی ایسی نشانیاں موجود ہیں جن کا تفصیل کے ساتھ ہم یہاں ذکر نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید نے اس آفاقی نظام اور اس کائناتی قانون کی طرف کس جامع اور لطیف انداز میں دو لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے۔

و کل شئی عنده بمقدار

ہر شے اس کے نزدیک ایک معین مقدار کے ساتھ ہے۔ (۱۶)

اضافت

نیوٹن کی طرف سے زمین کی کشش کے انکشاف کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مطلق فوق اور تحت وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ دونوں اضافتی مفہوم ہیں ایک جگہ کچھ لوگوں کے لیے تحت ہے اور عینا" یہی جگہ دوسروں کے لئے فوق ہے لیکن آئن شائن نے نظریہ اضافت قائم کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ دنیا میں ہر شے اضافتی ہے۔ یہ کائنات یک گونہ نہیں ہے بلکہ ہر شے اضافتی اور نسبتی ہے۔ منجملہ زمان بھی مطلق نہیں اضافتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی چیز نور کی سرعت سے زیادہ تیز رفتاری سے سفر کرے تو اس کا وقت اور دوسرے سفر نہ کرنا دونوں کا وقت مختلف ہو گا۔ بعض سائنسدانوں کی تحقیقات کے مطابق اگر فضائی مصنوعی سیارے یا راکٹ پر کوئی شخص نور کی رفتار سے سفر کرے تو اس مسافر کے صرف ۲۹ سال زمین والوں کے تین ملین (۳۰۰۰۰۰۰) سالوں کے برابر ہوں گے۔ (۱۷) قرآن مجید کی اس سلسلہ میں یہ آیت قابل توجہ ہے۔

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرض الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون

آسمان سے زمین تک ہر امر کی وہی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر اس کے پاس پہنچ جاتا ہے ایک ایسے دن میں جو تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ (۱۸)

نظام زوجیت

نزول قرآن سے پہلے یہ خیال عام تھا کہ زوجیت کا نظام حیوانات اور نباتات میں قائم ہے۔ قرآن کریم کے انکشاف کے تحت زوجیت ایک کائناتی نظام ہے اور ہر شے زوجیت پر قائم ہے۔ حتیٰ کائنات کی سب سے چھوٹی مخلوق ایٹم بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

و من کل شی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون

اور ہم نے ہر چیز کو جفت جفت بنایا تاکہ تم سمجھو۔ (۱۹)

دوسری آیت میں عالم زوجیت کو تین مختلف عوالم میں تقسیم فرمایا

الف۔ عالم نباتات ب۔ عالم انفس ج۔ عالم مجہولات

ارشاد الٰہی ہے۔

سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض و من انفسهم و مما لا یعلمون

پاک و منزہ ہے وہ ذات جس نے جوڑے پیدا کئے زمین سے اگنے والی چیزوں کے' خود ان لوگوں کے اور ان چیزوں کے جن کی انہیں خبر نہیں۔ (۲۰)

جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ نر و مادہ ہر صنف میں موجود ہے یعنی حیوانات و نباتات کے علاوہ جمادات میں بھی موجود ہے۔ قرآن نے ایک مقام پر فرمایا اس چیز میں زوجیت موجود ہے اور دوسری آیت میں مزید اس کی عمومیت کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ نظام زوجیت ان چیزوں میں بھی موجود ہے جنہیں انسان جانتے بھی نہیں ہیں۔

عالم غیر مرئی

یوں تو رب العالمین کی تفسیر میں بہت سے عالمین کا ذکر آتا ہے لیکن شاید ان سب میں سب سے اہم تقسیم عالم مرئی و عالم غیر مرئی کی ہو۔ عالم مرئی میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو طبیعی آنکھوں یا خوردبین کی مدد سے دیکھی جا سکتی ہے۔ عالم غیر مرئی تو شاید زیادہ پر اژدہام زیادہ پر رونق اور زیادہ شوروشین کا عالم ہے۔ ریڈیائی لہروں' کشش کی لہروں' رنگوں اور جراثیم کے علاوہ لاکھوں غیر مرئی موجودات اس کائنات میں موجود ہیں جن کا عشر عشیر بھی ابھی تک انسان کے حیطہ انکشاف میں نہیں آیا۔ قرآن عالم غیر مرئی کی طرف ایک خفیف سا اشارہ فرماتا ہے۔

فلا اقسم بما تبصرون و ما لا تبصرون

میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ (۲۱)

تسبیح ایک آفاقی فریضہ

ارشاد الٰہی ہے۔

و ان من شئی الا یسبح بحمده و لٰکن لا تفقهون تسبیحهم

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو' البتہ تم ان کی

تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔ (۲۲)

مفسرین نے یہاں ہر شئی کی تسبیح سے مراد ان چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنا اور ان کے وجود میں مضمر **حکمت الٰہیہ** لیا ہے' یعنی یہ کہ ہر چیز بزبان حال بتاتی ہے کہ ان حکمت آمیز اشیاء کا خالق ہر نقص و شرک سے پاک ہے۔ مگر یہ تفسیر چند وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ اس آیت میں فرمایا۔ **لا تفقهون تسبيحهم** تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تسبیح سے مراد یہی تکوینی تسبیح ہے تو اسے ہم سمجھ رہے ہیں اور بیان کر رہے ہیں۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ اشیاء اپنی دعا و تسبیح کا علم رکھتے ہیں اگر تسبیح سے مراد تکوینی ہے تو خود اشیاء کو اپنی تسبیح کا علم حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ ملاحظہ ہو یہ آیت

الم تر ان اللّٰه يسبح له من فى السمٰوٰت والارض و الطير صافات كل قد علم صلاته و تسبيحه

کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ان میں ہر ایک اپنی اپنی دعا اور تسبیح کا خوب علم رکھتا ہے۔ (۲۳)

۳۔ قرآن نے ان میں سے بعض کی تسبیح کا وقت بھی بتایا ہے کہ پہاڑ صبح و شام تسبیح پڑھتے ہیں۔ اگر تسبیح سے مراد تکوینی تسبیح ہو تو اس کا کوئی وقت نہیں ہوتا بلکہ تکوینی تسبیح تو غیر ارادی طور پر خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشى والاشراق

ہم نے پہاڑوں کو بھی ان کے لئے مسخر بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ شام و سحر تسبیح کیا کرتے تھے۔ (۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کی تسبیح کے لئے وقت معین نہیں ہے اور معین وقت کی تسبیح بلا شعور نہیں ہو سکتی۔

صدر المتالھین کا نظریہ

اس عظیم فلاسفر کا نظریہ یہ ہے کہ انسان سے لیکر نباتات اور جمادات تک ہر شے میں کسی حد تک شعور و ادراک موجود ہے۔ البتہ کچھ تفاوت کے ساتھ۔ دلیل یہ ہے کہ موجودات میں جہاں مادیت کا پہلو قوی ہو گا وہاں حیات و شعور کا پہلو کمزور ہوگا اور جہاں مادیت کا پہلو کمزور ہو گا وہاں حیات و شعور کا پہلو قوی ہو گا۔ وہ اپنے اس نظریہ پر ذکر شدہ آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

سائنسی نظریہ

جدید سائنسی تحقیقات بھی اس نتیجہ تک پہنچ چکی ہیں کہ پودوں میں شعور و ادراک موجود ہے۔ چنانچہ یہ بات ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے کہ پودوں میں ڈر، خوشی، مستی اور دیگر طرح کا شعور موجود ہے اور امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں اس سلسلہ میں مزید انکشافات ہوں گے اور قرآن ہر دور میں اپنا تازہ ترین معجزہ پیش کرتا رہے گا۔

فضائے آسمان

قرآن مجید نے خلاء کے بارے میں اس زمانے میں اشارہ فرمایا تھا جس زمانے میں لوگوں کو علم تک نہ تھا کہ وہاں اگر انسان صعود کر جائے تو کن حالات سے دوچار ہو گا۔ اس صدی کے انسان کو پتہ چل چکا ہے کہ انسان زمین سے جتنا بلند ہوتا جاتا ہے اتنی ہی ہوا رقیق سے رقیق تر ہوتی چلی جاتی ہے اور زیادہ بلندی پر جانے کی صورت میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے انسان کے لئے سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے اور مزید بلند ہونے کی صورت میں تنگی نفس کی وجہ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس بات کے معلوم ہونے کے بعد درج ذیل آیات کا مفہوم اور واضح ہو جاتا ہے:

فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام و من یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا" حرجا کانما یصعد فی السماء

اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کرتا ہے کہ اسے ہدایت نصیب کرے وہ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھولتا ہے اور جس کے لئے وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے گمراہ رکھے اس کے سینہ کو وہ تنگ سے تنگ تر کر دیتا ہے جیسے اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو۔ (۲۵)

مواقع نجوم

ہم زمین کی محدود مسافتوں کے لئے میل، کلو میٹر اور فرسخ وغیرہ کو پیمانہ قرار دیتے ہیں لیکن لا متناہی کائنات میں پھیلے ہوئے بے شمار ستاروں اور کہکشاؤں کے فاصلے معلوم کرنے کے لئے ہمارے یہ محدود پیمانے نہایت ناکافی ہیں لہٰذا اس چیز کو پیمانہ قرار دیا گیا جو اب تک کی انسانی معلومات کے مطابق کائنات میں سب سے زیادہ تیز رفتار ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار۔ نور ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر مسافت طے کرتا ہے اور سال میں ساٹھ کھرب ($6x10^{12}$) میل طے کرتا ہے اور ساٹھ کھرب میل کو نوری سال کہتے ہیں۔ سورج کا نور ہم تک آٹھ منٹوں میں پہنچتا ہے۔ ہم سے نزدیک ترین سیارے کا نور ہم تک چار سال نوری میں پہنچتا ہے۔ کچھ ستارے ہم سے تین سو نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہیں اور کچھ اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر ہیں۔ اس کے بعد کہکشاؤں کی باری آتی ہے، کچھ کہکشائیں ہم سے دو ملین کچھ دس ملین اور کچھ ایک سو ملین نوری سال کے فاصلہ پر موجود ہیں۔ اب تک تقریباً" ایک لاکھ ملین کہکشائیں کشف ہو چکی ہیں۔ ہر کہکشاں میں تقریباً" ایک لاکھ ملین ستارے

موجود ہیں۔ ایک لاکھ ملین کو ایک لاکھ ملین سے ضرب دینے سے ایک بے پناہ اعداد و شمار سامنے آتے ہیں۔ حال ہی میں ایک کہکشاں کا انکشاف ہوا ہے جو ہم سے پانچ ہزار ملین نوری سال کے فاصلہ پر موجود ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فلا اقسم بمواقع النجوم و انه قسم لو تعلمون عظیم

مجھے ستاروں کے مقامات کی قسم ہے اگر تم جانتے ہوتے تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ (۳۶)

خدایا! ہم تیری عظمت اور تیری مخلوق کی عظمت کو کیا سمجھیں۔ جس حد تک ہم نے سمجھا اور جانا ہے واقعاً" یہ تیری بہت بڑی قسم ہے۔

آسمانوں کی زندہ موجودات

اگرچہ سائنسدانوں کو یہ توقع تھی کہ ستارہ مریخ پر زندگی کے آثار موجود ہو سکتے ہیں لیکن آج تک انسان کسی آسمانی زندگی کے بارے میں سوائے تخمین و داستان کے کچھ نہیں جانتا' قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ آسمانوں میں زندہ موجودات ہیں:

و من آیاته خلق السمٰوٰت والارض و ما بث فیها من دابة وهو علی جمعهم اذا یشاء قدیر

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کے جانداروں کا پیدا کرنا ہے اور وہ جب چاہے ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔ (۲۷)

اس آیہ شریفہ میں مستقبل میں ان مخلوقات کے آپس میں ایک جگہ جمع ہونے کی پیش گوئی بھی ہے اور جب انسان آسمانی مخلوق سے آشنائی پیدا کرے گا اور وہ ایک دوسرے سے مل بیٹھیں گے تو اس وقت قرآن مجید (**و هو علی جمعهم اذا یشاء قدیر**) کے جملوں کے ساتھ تازہ ترین معجزہ پیش کر رہا ہو گا۔

کائنات کی وسعت

یہ کائنات متناہی ہے یا غیر متناہی ہے ایک جدا بحث ہے لیکن اب تک انسان نے اس کائنات کی وسعت کے بارے میں جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ اگرچہ حقیقت کائنات کے مقابل میں تو ہیچ ہے لیکن پھر بھی کائنات کا ایک عظیم نقشہ ذہن میں آتا ہے کہ بعض کہکشائیں ایسی بھی ہیں جن کی روشنی ابھی ہم تک نہیں پہنچی یعنی کروڑوں سال سے یہ روشنی مسافت طے کر رہی ہے لیکن زمین تک ابھی نہ پہنچ سکی۔ اس کے علاوہ سائنسداں یہ بھی کہتے ہیں کہ کائنات کی کہکشاؤں میں وسعت پیدا ہو رہی ہے اور یہ کائنات ہمیشہ وسعت پذیر ہے اور ہر آن پھیل رہی ہے یعنی ایک کہکشاں دوسری سے دور ہوتی جا رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں کائنات کی جسامت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

والسماء بنیناها باید و انا لموسعون

اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم مزید وسعت دینے والے ہیں۔ (۲۸)

مخمور آنکھیں

جب انسان کرہ باد میں پہنچ جاتا ہے تو آسمان نیلگوں دکھائی نہیں دیتا۔ جب کہ ہم زمین سے یہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ آسمان پر پہنچنے والے انسان کو آسمان سیاہ رنگ نظر آتا ہے۔ اس میں رقص کناں روشنی انسانی آنکھوں کے لئے سحر زدگی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

آسمان کی فضاؤں کے ایک حلقہ میں روشنی مختلف رنگوں میں رقص کر رہی ہوتی ہیں۔ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ آنکھوں کو جادو ہو گیا ہے۔ مسٹر آرتھر کلارک نے اپنی کتاب انسان اور فضا میں اس مطلب کو بیان کرنے کے لئے ایک باب باندھا ہے۔ بعنوان **حیل خداعة تتعرض لها العین**۔ (۲۹) اس مطلب کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ آیت پڑھئے۔

ولو فتحنا علیهم بابامن السماء فظلوا فیه یعرجون لقالو انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون

اگر ہم آسمان کا دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے لگیں تو یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھیں مخمور ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔ (۳۰)

مادہ اولیہ

ارشاد الٰہی ہے:

و هو الذی خلق السمٰوت والارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء

وہ وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا جبکہ اس کی حاکمیت (عرش) پانی پر تھی۔ (۳۱)

عرش خدا

عرش خدا کا حاکمیت اور سلطنت کے معنوں میں لیا جانا ہی سیاق آیت کے ساتھ مناسب ہے۔ اس صورت میں **و کان عرشه علی الماء** کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود نہیں بخشا گیا بلکہ ان کی تخلیق میں استعمال ہونے والا مادہ اولیہ پانی ہے اور اللہ آسمانوں اور زمین کو جب بنا رہا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور سلطنت پانی پر تھی۔

حضرت علیؑ سے سوال کیا گیا کہ عرش الٰہی کتنی مدت پانی پر رہا تو آپ نے فرمایا:

لو ان الارض من المشرق الی المغرب و من الارض الی السماء حب خردل ثم کلفت علی ضعفک ان تحمله حبة حبة من المشرق الی المغرب حتی

افنیته لکان ربع عشر جزء من سبعین جزء من بقاء عرش ربنا علی الماء قبل ان یخلق الارض و السماء ثم قال انما مثلت لک مثالا

اگر کرہ ارض مشرق سے مغرب تک اور زمین سے آسمان تک رائی کے دانوں سے پر کیا جائے اور تجھے اس ناتوانی کے باوجود یہ حکم مل جائے کہ تو ان رائی کے دانوں کو ایک ایک دانہ کر کے مشرق سے مغرب تک لیجائے تو ان دانوں کو ختم کرنے پر جو وقت صرف ہو گا وہ اس مدت کا 1.75 ہو گا جو آسمان و زمین کی خلقت سے پہلے عرش خدا کو پانی پر گزری ہے۔ (۳۲)

پھر فرمایا میں نے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

و خلق الشی الذی جمیع الاشیاء منه و هو الماء الذی خلق الاشیاء منه فجعل نسب کل شی الی الماء و لم یجعل للماء نسبا

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وہ مادہ خلق فرمایا جس سے تمام چیزیں وجود میں آئیں اور وہ پانی ہے جس سے سب چیزوں کو خلق فرمایا۔ اس طرح ہر چیز کی تخلیق پانی سے ہوئی اور پانی از خود خلق ہوا ہے کسی چیز سے نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ النازعات' ۳۱
۲۔ حم سجدہ' ۹۔۱۰
۳۔ النازعات' ۳۱
۴۔ طہٰ' ۵۳
۵۔ الحج' ۵
۶۔ فاطر' ۴۱
۷۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۴
۸۔ المرسلات' ۲۵۔۲۶
۹۔ بنی اسرائیل' ۱۴
۱۰۔ کہف' ۴۹
۱۱۔ ق' ۱۸
۱۲۔ کہف' ۴۹
۱۳۔ ق' ۲۲
۱۴۔ القیامہ' ۳
۱۵۔ البقرہ' ۲۵۹
۱۶۔ الرعد' ۸
۱۷۔ Mavtin Gardnov : Relativity for Million ترجمہ فارسی محمود مصاحب طبع تہران
۱۸۔ سجدہ' ۵
۱۹۔ الذاریات' ۴۹
۲۰۔ یٰس' ۳۶
۲۱۔ الحاقہ' ۳۸۔۳۹
۲۲۔ بنی اسرائیل
۲۳۔ النور' ۴۱
۲۴۔ ص' ۱۸
۲۵۔ الانعام' ۱۲۵
۲۶۔ الواقعہ
۲۷۔ شوریٰ' ۲۹
۲۸۔ الذاریات' ۴۷
۲۹۔ MAN AND SPACE by Arthur c. clorke
۳۰۔ الحجر' ۱۵
۳۱۔ ھود' ۷
۳۲۔ البرہان' ۲ر۲۰۸

اعجاز قرآن کے مختلف پہلو (۴)

حسنین گردیزی

اعجاز قرآن کا ایک اور اہم پہلو قرآن کا نظم ہے۔ سب سے پہلے جاحظ (۱) نے اسے قرآنی اعجاز کی وجہ کے عنوان سے بیان کیا اس کے بعد خطابی (۲) نے اپنی کتاب " اعجاز القرآن " میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ نظم تالیف کو بھی اعجاز قرآن کی جہت قرار دیا۔ بعد میں باقلانی (۳) نے دیگر وجوہ میں سے اسے بھی شمار کیا ان کی عبارت کو یوں نقل کیا گیا ہے:

"ذکر اصحابنا و غیر هم فی ذلک ثلاثة اوجه من الاعجاز احدهما : ...
والوجه الثانی :... والوجه الثالث : انه بدیع النظم ' عجیب التالیف ' متناه
فی البلاغة الی الحد الذی یعلم عجز الخلق عنه "(۴)

اسی طرح جرجانی (۵) نے بھی اعجاز قرآن کا یہی پہلو یعنی نظم قرآن اور اسلوب ذکر کیا ہے۔ کتاب بحار الانوار (۶) اور رجاء الغفران (۷) میں اس وجہ کو باقلانی سے منسوب کیا ہے۔ رافعی نے اپنی کتاب " اعجاز القرآن " میں قرآن کے نظم پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ (۸)

مجموعی طور پر کلام تین چیزوں سے مرکب ہے:

(i) حروف کہ جن کا مادہ صوت ہے۔
(ii) کلمات کہ جو حروف سے تشکیل پاتے ہیں۔
(iii) جملے کہ جو کلمات سے مل کر شکل اختیار کرتے ہیں۔

اعجاز قرآن ان تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ کلمات اور جملات کے نظم کے ساتھ حروف کا نظم بھی اعجاز میں دخالت رکھتا ہے۔ قرآن کا صرف ایک حرف اپنے موقع و محل کی مناسبت سے تقدیم و تاخیر کے لحاظ اور دوسرے الفاظ و جملوں کے موازنے کے ساتھ اعجاز کا حامل ہے جبکہ دوسرے کلاموں میں بالکل ایسا نہیں ہے ان میں حروف و کلمات کے موقع و محل میں ہر قسم کی تبدیلی کی جاسکتی ہے اور ممکن ہے یہ تبدیلی لفظی اور معنوی اعتبار سے کلام میں بہتری پیدا کر دے لیکن قرآن میں ایسا نہیں

ہے۔ قرآن بعض مقام پر ایک لفظ یا حرف اختیار کرتا ہے اگر وہی لفظ نظم قرآن کے علاوہ کسی دوسری جگہ دیکھا جائے تو وہ اپنے مترادفات کے درمیان کچھ زیادہ فصیح اور اہل ذوق کے نزدیک لذیذ و شریں محسوس نہ ہوگا۔ اسی طرح قرآن کے اندر کسی لفظ کو اٹھا لیا جائے اور کوئی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو کوئی لفظ رکھیں وہ سیاق و سباق اور موقع و محل کی مناسبت سے قطعاً نا مناسب لگتا ہے اس مقام پر وہی لفظ تمام تر فصاحت و بلاغت کے ساتھ مناسب ہے جو قرآن نے استعمال کیا ہے۔ قرآن مفردات اور ترتیب کلمات کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ از روئے مفردات معجزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفردات میں قرآن کریم وہ لفظ اختیار فرماتا ہے کہ اس مقام پر اس معنی کو ادا کرنے اور حقیقت مقصودہ کو واضح کرنے کے لیے اس سے زیادہ جامع اور بلیغ اور کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا' جو اس طرح مراد کو کامل طور پر ادا کرسکے۔ (۹)

کلمات کی ترتیب کے اعتبار سے اعجاز قرآن یہ ہے کہ قرآن ایک ایسی ترکیب اختیار کرتا ہے کہ اس مقام پر اس مقصد کے ادا کرنے کے لیے اگر چہ اور بھی تعبیرات ممکن تھیں لیکن قرآن نے جو ترتیب اختیار کی ہے وہی سب سے زیادہ بلیغ اور مراد کو ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ جامع ہوتی ہے اور اگر اس میں ذرہ برابر بھی تغیر' تقدم یا تاخر کر دیا جائے تو وہ حسن و خوبی اور درجہ بلاغت نہیں رہتا اور نہ ہی اس تغیر کردہ ترتیب میں پوری پوری مراد اس خوبی کے ساتھ ادا ہوتی ہے .... مثلاً قرآن کریم میں جن کو الوہیت و معبودیت خداوندی میں شریک کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

"وَ جَعَلُوا لِلّٰہِ شُرَکَاءَ الجِنَّ"

ان مشرکوں نے جنوں کو اللہ کے لیے شریک قرار دیا۔ (۱۰)

بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تعبیر اور ترتیب اس طرح ہوتی " و جعلوا الجن شرکاء اللّٰہ " کہ انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا لیکن قرآن کی غرض صرف اسی امر کو بیان کرنا نہیں بلکہ غرض اولاً غیر اللہ کو اللہ کی الوہیت میں شریک بنانے اور ارتکاب شرک کی قباحت کو بیان کرنا ہے۔ اور ثانیاً اس حماقت کو کہ شریک بھی بنایا تو جنوں کو بنایا تو گویا اس عنوان نے ان کی ہر دو حماقتوں کو نمایاں کیا۔

اول بیہودگی اور حماقت شرک مع اللہ اور پھر حماقت بالائے حماقت یہ کہ خدا کا شریک بنایا بھی تو جنات کو یہ مقصد صرف یہی ترکیب ادا کرسکتی تھی اس کی جگہ ہر ممکن تعبیر متعدد تعبیرات میں سے اس معنی کو ادا کرنے سے قاصر تھی اس لیے جعلوا اللّٰہ میں شرکاء کو جعلوا کا مفعول بنا کر پھر اس سے لفظ " الجن " بدل قرار دیا۔ (۱۱)

مصطفیٰ رافعی نے قرآن کے حروف اور نظم و ترتیب کے حوالے سے ایک اور پہلو اجاگر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کا اسلوب اور نظم لہجوں اور آہنگ کی پیدائش کا سبب بنا اگرچہ یہ چیز کلام عرب میں نئی نہ تھی لیکن اس انداز سے جس کا قرآن میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ سامع کو قرآن سننے اور اس کی طرف متوجہ ہونے پر ابھارتا ہے اور کلمات اور حروف کی تنسیق میں ایک قسم کی موسیقی ایجاد کر دیتا ہے' بالکل نہ تھی۔ (۱۲)

بہت سی احادیث اور روایات موجود ہیں جو اس مطلب کو پایہ ثبوت تک پہنچاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کا اس غم و غصے کی شدت میں کلام الہیٰ کی چند آیات کو سن کر ایمان لانا' قرآن کے سامنے خضوع قلب کی دلیل ہے۔ اسی طرح تاریخ کی کتب میں درج ہے کہ قریش کے تین بڑے بلیغ اشخاص ولید بن مغیرہ ' اخنس بن قیس اور ابو جہل بن ہشام جن کا بلاغت میں کوئی ثانی نہ تھا۔ قرآن سننے کے لیے پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر کے گرد رات کو جمع ہوئے چونکہ حضور اکرمؐ نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی ہر ایک اپنی مخفی جگہ سے باہر آیا ایک دوسرے کو پہچان لیا اور کہا کہ اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہوگیا تو وہ اسی طرح جمع ہوں گے اور بالآخر مسلمان ہو جائیں گے لہٰذا ایسا کام نہیں کریں گے اور اس پر سب نے وعدہ کیا۔ دوسری رات پھر تینوں ایک دوسرے سے چھپ کر قرآن سننے جمع ہوگئے۔ صبح دوبارہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اس کا تکرار نہیں کریں گے۔ تیسری رات بھی ایسا ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور آئندہ یہ کام نہ کرنے کا پکا عہد کیا۔ یہ قرآن کا نظم اور سحر انگیز اسلوب تھا جس نے سخت ترین دشمنوں کو بھی قرآن کی طرف متوجہ کیا لیکن تعصب کی شدت کی بنا پر وہ اس پر ایمان نہ لائے۔

موسیقی قرآن:۔۔۔

اس بارے میں مصطفیٰ رافعی لکھتے ہیں کہ عرب تالیف حروف اور لہجوں کی تنظیم میں موسیقی کے کسی باقاعدہ طریقے کے پابند نہیں تھے جیسے ان سے بن پڑتا تھا ویسے وہ کرتے تھے۔ وہ حروف میں تبدیلی کی طرف توجہ کیے بغیر فقط ترجیع صوت پر اکتفاء کرتے تھے۔ جب قرآن کا نزول ہوا تو انہوں نے قرآن کے حروف ' کلمات اور جملوں میں ایسا فنی الحان اور موسیقی کو موجود پایا جس کی پہلے نظیر نہ تھی۔ یہاں سے ان پر اعجاز کے ایک اور راستے کا انکشاف ہوا (۱۳) یہاں تک کے قرآن کے مقابلے پر آنے والے افراد بطور مثال مسیلمہ کذاب نے آواز سے مربوط الحان پر اکتفا کیا اور ایسی مسجع یا مقفی عبارات لے آئے جو حروف کی ترتیب سے مربوط آہنگ و لہجے سے بالکل خالی تھیں۔

فصحاء عرب کی عبارات پڑھنے کے انداز اور قرآن کی طرز قرائت کے درمیان موازنے کرنے سے

مذکورہ مطلب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور ان کا قرآن سے انحطاط بھی اس لحاظ سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ روش قرآن میں جہر، ھمس، شدت، رخوت، تفخیم، ترقیق اور دوسری لفظی صفات کے لحاظ سے جس ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے وہ کسی بھی طرح دوسری عربی عبارات میں ملحوظ نہیں ہے اور کسی طرح بھی اس سے مناسبت نہیں رکھتی۔

یہ قرآن کا نظم و ترتیب ہی تھا جس نے عربوں کے مزاج کو صفا بخشی اور انہیں ذوق موسیقی سے آشنا کر دیا بلکہ انہیں اس معاملے میں صاحب ذوق بنا دیا۔ قرآن نے نظم و اسلوب کی ایک جدید روش سے انہیں روشناس کرایا جس کی مثال تاریخ ادب میں نہیں تھی۔ عربوں کے درمیان جو مسجع و ترسل کا طریقہ معمول تھا، اس سے انہوں نے ہاتھ اٹھا لیا۔ اگر قرآن نہ ہوتا تو اعراب اپنے تمام ادبی فضائل گنوا بیٹھتے اور ان کے دامن میں چند عام لغات کے سوا کچھ باقی نہ رہتا۔ (۱۴)

اعجاز قرآن کے اسی پہلو پر شہید مطہری نے بھی اظہار نظر کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اور مسئلہ جو قرآن کے اسلوب سے متعلق ہے اور وہ قدیم الایام سے توجہ کا مرکز رہا ہے، قرآن کی آہنگ پزیری ہے۔ یہ بڑا عجیب مسئلہ ہے جہاں تک بتایا گیا ہے کہ مختلف زبانوں میں صرف شعر آہنگ قبول کرتا ہے یعنی ساز پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شعر نہیں ہے کیونکہ نہ اس میں شعری اوزان ہیں نہ قافیہ اور نہ اس کے جملے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ مطالب و مفاہیم کے اعتبار سے بھی شعر کی خصوصیات کا حامل نہیں ہے کیونکہ شعر کا تعلق تخیل سے ہے۔ قرآن میں تخیل نہیں ہے اور اس میں شاعرانہ تشبیہات اور خیالات بھی نہیں پائے جاتے۔ قرآن ہی ایک نثر ہے جو آہنگ و ساز کو قبول کرتی ہے۔ قراء حضرات جو قرائت کرتے ہیں یہی آہنگ ہے۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے خطبات کو آواز و الحان کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے اسی طرح نہج البلاغہ کے خطبات کو بھی۔

فقط قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ صدر اسلام میں اس مطلب کی طرف توجہ دی گئی تھی اور قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب دی گئی۔ چونکہ قرآن کے اندر یہ صلاحیت موجود تھی اسی لیے اس کا حکم دیا گیا۔ (۱۵)

چونکہ آواز کا مادہ انسانی انفعالات کا مظہر ہے اور بطور طبیعی ان انفعالات کا اثر آواز پر پڑتا ہے اور اس کے اتار چڑھاؤ سے انسانی مزاج پر خاص اثر پڑتا ہے، اور یہ مطلب قرآن مجید میں حد کمال تک پہنچا ہوا ہے حتیٰ غیر عرب یا قرآن کے منکر افراد جو کسی لحاظ سے بھی قرآن کے معارف سے سروکار نہیں رکھتے جب قرآن کی آیات کو سنتے ہیں تو وہ وجد میں آجاتے ہیں اور ان کے اندر بے پناہ شغف

پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی چیز انہیں قرآن سننے سے نہیں روک سکتی حالانکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے اسی جہت سے قرآن کو خوش آواز کے ساتھ تلاوت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ آواز کا حسن ' اوزان میں استحکام اور رسائی کا باعث بنتا ہے۔ قرآن کے فواصل خصوصاً وہ جو حرف مد کے ساتھ میم اور نون پر ختم ہوتے ہیں (۱۶) اور وہ آیات جو ان حروف پر ختم نہیں ہوتیں بلکہ دیگر حروف پر اختتام پذیر ہوتی ہیں اور دیگر آیات کے سیاق کے مطابق ہیں ان میں خاص قسم کا لطف پایا جاتا ہے اور یہ اعجاز قرآن پر ایک اور دلیل ہے کہ وہ اس ذریعے (موسیقی) سے افکار و اذہان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے معانی سے آگاہ نہ ہوں اور یہ مطلب فصاحت سے قطع نظر ایک ایسی جہت ہے جو قرآن میں کلمات اور جملات میں ہر قسم کے تغیر و تبدل کے امکان کو رد کرتی ہے کیونکہ اس کے کلمات و جملوں میں تبدیلی اس کے طبیعی لہجے اور موسیقی میں خلل ایجاد کرتی ہے اور اس کی فنی روش کو بدل دیتی ہے۔

قرآن میں کوئی حرف یا کلمہ زائد نہیں :۔

چونکہ نظم قرآن کی بنیاد اس بات پر استوار ہے کہ کلمات و حروف میں سے ہر ایک معنی مقصود کو ادا کرے اس لیے محال ہے کہ اس میں کوئی زائد یا اضافی لفظ موجود ہو اور اس پر اعتراض و تنقید کی جاسکے اور نظام تکوینی کی کہ ہر چیز ایک خاص غرض کیلئے خلق کی گئی ہے اسی طرح قرآن میں بھی ہر حرف اور ہر کلمہ ایک خاص معنی کے لیے اس طرح سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ اس حرف و کلمہ کو اٹھا لیا جائے تو کلام کی نارسائی واضح طور پر محسوس ہوگی اور محال ہے کہ کوئی دوسرا حرف یا کلمہ اس کے جاگزیں ہو جائے اور وہ مطلب اور معنی جو قرآن میں افادہ کیا گیا ہے ' درست اور صحیح نکل آئے اور یہ اعجاز قرآن کے اسرار میں سے ایک اہم ترین عامل ہے جسے عربوں نے محسوس کیا اگر وہ کسی کلمے یا حرف کے موقع و محل پر اعتراض کرسکتے تو وہ ضرور کرتے کیونکہ قصائد اور خطبات کے مقابلے کرنے میں ان کا یہی طریقہ کار تھا۔

(۴) قرآن اور اخبار غیب :۔

اعجاز قرآن کا ایک اور اہم پہلو اس کی غیبی خبریں ہیں۔سب سے پہلے "نظام" نے اس پہلو کی تصریح کی اس کے بعد باقلانی ' قاضی عیاض اور زرقانی نے اعجاز قرآن کی جملہ وجوہ میں غیبی اخبار کو بیان کیا ہے۔ تفسیر المنار (۱۷) اور تفسیر المیزان (۱۸) میں بھی اسے اعجاز قرآن کی وجہ کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ بحار الانوار (۱۹) میں اسے بعض افراد سے نسبت دی گئی ہے اور امام فخر رازی (۲۰) نے اسے علما کی طرف منسوب کیا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر گذشتہ انبیاء اور ان کی اقوام کی داستانیں، قصے اور ان کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئندہ حالات کے حوالے سے بہت سی باتیں بیان ہوئیں بہت سے امور کی خبریں دی گئیں اور وہ سب کی سب مطابق با واقع ہوئیں حتیٰ کے مخالفین کو بھی ان کی صحت کا اقرار کرنا پڑا۔ قرآن مجید میں جتنی غیبی خبریں بتائی گئی ہیں اور آئندہ کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

قرآن کی غیبی اخبار کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

الف:۔ گذشتہ خبریں ب:۔ آئندہ کی خبریں

الف ۔ گذشتہ خبریں ۔ قرآن کی چند آیات میں اس مطلب کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ اے رسول! ہم آپ کو گذشتہ قوموں کے واقعات اور انبیاء کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں جن سے آپ اور آپ کی قوم پہلے آگاہ نہیں تھی اور ہم نے وحی کے ذریعے یہ سب تمہیں بتایا۔ بطور مثال قرآن کریم حضرت مریم کی کفالت کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

" ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ " (۲۱)

یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت آپ موجود تھے جب وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے اپنے قلموں کو (پانی میں) ڈالتے تھے کہ ان سب میں کون شخص مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

" تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَا اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا " (۲۲)

یہ غیب کی خبریں ہیں جو وحی کے ذریعے ہم آپ کو بتا رہے ہیں اس سے پہلے نہ تو آپ ان سے آگاہ تھے اور نہ آپ کی قوم۔

ایک اور مقام پر حضرت یوسف کی داستان کے اختتام پر ان تمام سبق آموز و عبرت آمیز واقعات کے بعد پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْکُرُوْنَ (۲۳)

یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعے آپ کو بتلاتے ہیں اور آپ

ان (برادران یوسف) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے پختہ عزم کر لیا تھا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔

گذشتہ خبروں میں چار قسم کے عناصر کا بیان ہوا ہے۔ انبیاء و رسل ' ان کی اقوام اور پیروکار ' گمراہ کرنے والے افراد اور گمراہ و منحرف افراد۔

انبیاءؑ کے تذکرے میں سب سے پہلے ابو البشر حضرت آدم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان واقعات میں ان کی پیدائش ' فرشتوں کو آپ کا سجدہ کرنا ' تعلیم الاسما ' شیطان کے وسوسے کی وجہ سے جنت سے نکلنا وغیرہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ (۲۴)

حضرت نوحؑ کے تفصیلی حالات قرآن میں ذکر ہوئے تقریباً قرآن کی اٹھائیس سورتوں میں مختلف انداز سے اور مختلف پہلوؤں سے اس اولو العزم پیغمبر کا تذکرہ کیا گیا ہے اور قرآن کی ایک اور سورہ کا نام انہی بزرگوار کے نام پر ہے۔ (۲۵)

حضرت ابراہیمؑ کے بت توڑنے کا واقعہ ' آگ میں جلنے کا قصہ اور وہاں زندہ و سلامت نکلنے کی داستان ' اللہ کا انہیں فرزند عطا کرنا ' ہاجرہ و اسماعیل کو مکے کے صحرا میں تنہا چھوڑنا ' خانہ کعبہ کی تعمیر اور دیگر واقعات کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے۔ (۲۶)

اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے واقعات بھی خصوصاً ان کا باپ کے خواب کی تصدیق کرنا اور ذبح ہونے کے لیے آمادہ ہونا ' قرآن کی چند سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ (۲۷)

قرآن مجید میں جس اولو العزم پیغمبر کا سب سے زیادہ تذکرہ ہے وہ حضرت موسیٰؑ ہیں ان کی داستان سب سے زیادہ مفصل اور مشروح ہے۔ ان کے واقعات قرآن کی چونتیس سورتوں میں مذکور ہیں۔ (۲۸)

حضرت یوسفؑ کی داستان کو قرآن نے " احسن القصص " کہا۔ ان کا تذکرہ قرآن کی تین سورتوں میں ہوا۔(۲۹)

اس کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا قصہ قرآن نے بیان کیا ہے ان کی پیدائش بطور معجزہ ہوئی حضرت عیسیٰ کا درخت کی نیچے پیدا ہونا ' لوگوں کا آکر سوال کرنا اور حضرت کا گہوارے سے جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان کرنا نیز ان کے دیگر واقعات قرآن کی تیرہ سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔(۳۰)

بدیہی ہے کہ جس طرح قرآن میں بعض انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے اسی طرح دوسری کتب آسمانی میں بھی ہوا ہے لیکن اور طرح سے ' خرافات اور ناروا باتوں سے انبیاء کو منسوب کیا گیا ہے اس کا اندازہ تورات اور انجیل کا مطالعہ کرنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض انبیاء کا ذکر صرف قرآن میں ہوا

ہے باقی آسمانی کتب میں نہیں ہوا مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ (۳۱)

قرآن نے جن قوموں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان میں حضرت نوحؑ کی قوم ہے جسے انہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی صرف چند آدمی ایمان لائے اکثریت قاطع نے ان کی دعوت قبول نہ کی اور آخر کار طوفان کے ذریعے ہلاک ہوگئے۔ (۳۲)

دوسری قوم ثمودؑ ہے جن کی طرف حضرت صالحؑ کو بھیجا گیا لیکن اس نے ہٹ دھرمی دکھائی اور آخر عذاب الٰہی کا شکار ہوئی اور آسمانی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی۔ (۳۳)

اسی طرح قوم عادؑ کا ذکر ہوا ہے جو حضرت ہودؑ کی قوم تھی ان کا انجام بھی دوسری نافرمان قوموں کی طرح ہوا اور عذاب سے دوچار ہوئی۔ (۳۴)

قوم لوطؑ کا تذکرہ قرآن میں ہوا وہ بھی اپنے غیر فطری عمل کی وجہ سے عذاب الٰہی کی مستحق قرار پائی۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ کی قوم کا واقعہ بھی قرآن نے بیان کیا ہے۔ (۳۵)

اصحاب سبت اور اصحاب فیل کی عبرتناک داستانیں بھی قرآن میں درج ہیں شاید ان واقعات سے لوگ عبرت پکڑیں اور اللہ کی نافرمانی سے باز آجائیں۔ (۳۶)

انبیاء اور ان کی اقوام کے علاوہ قرآن نے چند دوسرے نیک اور صالح انسانوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں فرعون کی بیوی حضرت آسیہ (۳۷)، فرعون کے جادوگر جو حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے (۳۸) اور مومن آل فرعون (۳۹) جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا، کے واقعات خصوصیت سے بیان کیے ہیں۔ گمراہ کرنے والوں میں نمرود، فرعون جنہوں نے خدائی دعوے کیے، قارون اور ہامان کے سبق آموز قصے بیان ہوئے ہیں۔ (۴۰)

ایسے واقعات اور قصے جو نزول قرآن سے کئی سو سال پہلے وقوع پذیر ہوئے اور اس وقت ان کی آگاہی کا ذریعہ بھی انسانوں کے پاس نہ تھا، ان واقعات سے خدا نے سالوں بعد پردہ اٹھایا اور وہ بھی ایسے شخص کے ذریعے جو امی تھے اور تاریخ اور گذشتہ حالات سے واقف نہ تھے۔ کیا یہ بات اعجاز قرآن پر دلالت نہیں کرتی؟

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل کتاب نے اپنے انبیاء کی داستانوں اور واقعات کی تکذیب نہیں کی یہ بھی اعجاز قرآن پر دلالت کرتی ہے۔

ب - آئندہ کی خبریں۔ قرآن کریم نے آئندہ کے حالات کی خبریں دیں ہیں جو سب کی سب جیسے قرآن نے کہا ویسے وقوع پذیر ہوئی ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اہل روم کے غلبے کی بشارت، ارشاد ہوتا ہے:

" غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِی اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِی بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ" (۴۱)

اہل روم قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب (تین سے نو سال کے عرصے میں) غالب آجائیں گے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور بعد میں بھی۔ اور اس روز مومنین اللہ تعالیٰ کی امداد پر خوش ہوں گے وہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔

مفسرین نے بالاتفاق ان آیات کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ مکی دور میں مومنین اقلیت میں تھے۔ اسی دوران ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور اس جنگ میں ایرانیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ مشرکین مکہ نے اسے بطور نیک فال لیا اور کہا کہ ایرانی مجوسی اور مشرک دوگانہ پرست ہیں لیکن رومی اہل کتاب ہیں۔ جس طرح مشرک ایرانی ' اہل کتاب رومیوں پر غالب ہوئے ہیں اسی طرح آخری فتح شرک کی ہوگی اور بہت جلد اسلام شکست کھا جائے گا اور فتح ہماری ہوگی۔

اگرچہ ایسے نتائج اخذ کرنے کی کوئی اساس نہ تھی لیکن اس سخت اور کشیدہ ماحول میں بے اثر بھی نہ تھی لہٰذا یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری۔ اس موقع پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور قطعی انداز میں رومیوں کے غلبے کی خبر دی۔ بلکہ فرمایا " یہ وعدہ الٰہی ہے اور وعدہ الٰہی کے خلاف ورزی نہیں ہوتی " چند ہی سال بعد قرآن کی یہ پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اور رومی ایرانیوں پر غالب آگئے۔

(۲) معرکہ بدر میں فتح کی بشارت

جب بدر کے مقام پر تین سو تیرہ نہتے اور غیر مسلح مسلمان مجاہد ایک ہزار مسلح دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے تھے اور حالات بظاہر قریش مکہ کے موافق تھے اور یہ بات ناقابل یقین تھی کہ مسلمانوں کا کمزور گروہ مشرکوں کے طاقتور گروہ پر غالب آجائے گا۔ اس موقع پر فرمایا:

" وَ اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ "

(۴۲)

جب اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آئے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی بنیاد کو قطع کردے۔

یہ وعدہ الٰہی پورا ہوا اور بے سرو سامان مسلمانوں نے اہل مکہ کے مسلح لشکر کو مغلوب کر لیا۔

(۳) فتح مکہ کی بشارت

مرحوم طبرسی تفسیر مجمع البیان میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جب مکے سے مدینے ہجرت کی تو دوران سفر جب آپ جحفہ کے مقام پر آئے تو مکے کی زیارت کا شدید شوق پیدا ہوا۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیت آپؐ پر وحی کی۔

" اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ قُلْ رَبِّی اَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدٰی وَ مَنْ هُوَ فِی ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ " (۴۳)

جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو اصلی وطن میں پھر لوٹائے گا آپ کہہ دیجیئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔

ایک اور مقام پر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے اصحاب کو خبر دی کہ انہوں نے خواب دیکھا ہے کہ حرم الٰہی میں امن کے ساتھ داخل ہوئے ہیں کچھ نے حلق کیا اور کچھ نے تقصیر۔

یہ خبر سن کر مسلمان خوش ہوگئے اور یہ سمجھا کہ یہی سال ہوگا لیکن صلح حدیبیہ ہوگئی اور مسلمان واپس چلے گئے۔ منافقین نے کہا پیغمبر کا وعدہ نہ آیا، نہ ہم مکے میں داخل ہوئے اور نہ حلق و تقصیر کیا۔ اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی اور بشارت دی وہ اسی سال مسجد الحرام میں داخل ہوں گے۔

" لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُؤُسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذَالِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا " (۴۴)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو مطابق با واقع ہے کہ تم لوگ مسجد الحرام میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترواتا ہوگا تمہیں کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا اللہ وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک فتح دے دی۔

یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ یہ دو غیبی خبریں سچی ثابت ہوئیں اور قرآن کے بیان کے عین مطابق آپؐ مکے میں داخل ہوئے۔ واضح ہے کہ اس واقعے سے آگاہی وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے ممکن نہیں ہے۔

(۴) رسول کریمؐ کی حفاظت کا وعدہ

آنحضرتؐ کو دشمنوں کی طرف سے خطرہ رہتا تھا اور صحابہ کرام کو آپؐ کی حفاظت کا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ عین اس حالت میں یہ آیت نازل ہوئی:

"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (۳۵)

تجھے لوگوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اسی دن سے اپنی جسمانی حفاظت کے تمام ذرائع موقوف کردیئے اور فرمایا خدا مجھے کبھی دشمنوں کے بس میں نہیں دے گا۔اس قسم کی اور متعدد پیشگوئیاں اور خبریں قرآن کریم میں مذکورہ ہیں' اور ایسا تو اکثر ہوتا تھا کہ مخالفین کوئی منصوبہ بناتے تو قرآن مجید نازل ہو کر اس کی قلعی کھول دیتا۔ قرآن مجید میں بعض افراد کے لیے درد ناک انجام اور عذاب کی خبر دی ہے جو وقوع پذیر ہوئی۔ اس کی واضح مثال ابو لہب اور اس کی بیوی ہے جن کے بارے میں پوری سورہ لہب نازل ہوئی ہے۔ دوسری مثال مذاق کرنے والوں سے آپ ﷺ کی حفاظت ہے۔ جس کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے:

"اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ" (۳۶)

ہم آپ کو مستہزئین کے شر سے بچائیں گے۔

بنابر مشہور قبیلہ قریش کے پانچ آدمی آپؐ کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

۱۔ عاص بن وائل ۲۔ ولید بن مغیرہ ۳۔ ابو زمعہ (اسود بن مطلب)

۴۔ اسود بن عبد یغوث ۵۔ حرث بن قیس

یہ سب برے انجام سے دو چار ہوئے اور ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

یہاں پر آئندہ کے واقعات کے عنوان سے چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ ان الٰہی وعدوں کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور وہ پورے ہوئے۔ دوسرا حصہ برے انجام کی خبروں پر مشتمل ہے اور اسی طرح بعض دوسری خبریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اخبار غیبی کی ان تمام اقسام سے آگاہی اور ان کے بارے میں پورے اعتماد و یقین کے ساتھ خبر دینا کسی انسان سے محال ہے۔ یہ صرف اور صرف عالم علی الاطلاق اور عالم الغیب و الشہادۃ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہی رسول اللہؐ کو بتائی گئی ہیں۔ یہ امر قرآن کے معجزہ ہونے اور آنحضرتؐ کی نبوت کی واضح و روشن دلیل ہے۔

☆ ☆ ☆

حواشی و مصادر

(۱) ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب' جاحظ لقب ' وفات ۲۵۵ ھ

(۲) ابو سلیمان محمد بن الخطابی۔ ادیب ' لغوی ' محدث ' وفات ۳۸۸ ھ

(۳) قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی۔ وفات ۴۰۳ ھ

(۴) الباقلانی ' قاضی ابو بکر محمد ' اعجاز القرآن' ص ۔ ۵۲

(۵) ابو بکر عبد القاہر بن عبد الرحمن الجرجانی' علم بلاغت کے بانی ' وفات ۴۷۱ ھ

(۶) مجلسی۔ محمد باقر " بحار الانوار " ' ج ۔ ۱۷' ص ۲۲۴

(۷) رجاء الغفران ' ص۔ ۶۰

(۸) رافعی' مصطفیٰ صادق' اعجاز القرآن' مطبوعہ ' دار الکتاب العربی ' بیروت ' ص۔ ۲۰۹۔ ۲۱۱

(۹) رافعی' مصطفیٰ صادق' اعجاز القرآن' مطبوعہ ' دار الکتاب العربی ' بیروت ' ص۔ ۲۱۰

(۱۰) سورہ انعام۔۔ آیت' ۱۰۰

(۱۱) کاندھلوی۔ محمد مالک۔ منازل العرفان فی علوم القرآن۔ ناشران قرآن لیمٹڈ۔ لاہور ص۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷

(۱۲) رافعی' مصطفیٰ صادق' اعجاز القرآن' دار الکتاب العربی' بیروت ' ص' ۲۱۲۔ ۲۱۳

(۱۳) جو افراد موسیقی کے اسرار اور اس کے فلسفے سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ عرب کی موسیقی میں ذرہ برابر بھی وہ تناسب موجود نہیں ہے جو قرآن کے کلمات ' حروف و اصوات میں موجود ہے اور یہ مطلب کسی لحاظ سے بھی قابل تردید نہیں ہے۔

(۱۴) رافعی' مصطفیٰ صادق' اعجاز القرآن' مطبوعہ ' دار الکتاب العربی' بیروت ' ص' ۲۱۴

(۱۵) مطہری' مرتضیٰ شہید' مجموعہ آثار' بحث اعجاز القرآن' مطبوعہ ' انتشارات صدرا' تہران ' ج' ۴ ' ص ' ۵۵۴۔

(۱۶) بعض علماء کا خیال ہے کہ قرآن میں واو اور نون یا ' یا اور نون پر ختم ہونے والے فواصل کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کی وجہ موسیقی کا آہنگ اور تطریب ہے۔ سیبویہ کا کہنا ہے کہ جب عرب کسی چیز کو ترنم اور آہنگ کے ساتھ پڑھنا چاہتے تو اس کے ساتھ واو یا نون یا پھر یا و نون کا اضافہ کرتے کیونکہ آواز کو کھینچنے کے لیے یہ مناسب ہے۔

(۱۷) رشید رضا' تفسیر المنار' مطبوعہ : قاہرہ ' ج۔ ۱ ' ص ' ۲۰۴' ۲۰۵

(۱۸) طباطبائی' محمد حسین علامہ ' تفسیر المیزان' مطبوعہ ' جامعہ مدرسین ' قم ' ج۔ ۱ ' ص' ۶۴

(۱۹) مجلسی' محمد باقر' بحار الانوار ' ج' ۱۷ ' ص' ۲۲۴۔

(۲۰) رازی' فخر الدین محمد ' تفسیر الکبیر' ج' ۱۰ ' ص' ۱۹۶

(۲۱) سورہ آل عمران ۔۔ آیت' ۴۴

(۲۲) سورہ ھود -- آیت' ۴۹ (۲۳) سورہ یوسف -- آیت' ۱۰۲

(۲۴) سورہ بقرہ۔ آل عمران' مائدہ' اعراف' بنی اسرائیل' کہف' مریم' طہ اور یٰسین میں ان کا تذکرہ ہوا ہے۔

(۲۵) آل عمران' نساء' انعام' اعراف' توبہ' یونس' ھود' ابراہیم' بنی اسرائیل' مریم' انبیاء' حج' مومنون' فرقان' شعراء' عنکبوت' احزاب' صافات' ص' غافر' شوریٰ' ق' ذاریات' نجم' قمر' حدید' تحریم اور نوح میں ان کا ذکر آیا ہے۔

(۲۶) آل عمران' نساء' انعام' ھود' یوسف' ابراہیم' حجر' نحل' مریم' انبیاء' حج' شعراء' عنکبوت' احزاب' ص' شوریٰ' زخرف' نجم' حدید' ممتحنہ اور اعلیٰ

(۲۷) بقرہ' آل عمران' نساء' انعام' ابراہیم' مریم انبیاء اور ص

(۲۸) جن میں سے چند یہ ہیں: بقرہ' آل عمران' نساء' مائدہ' انعام' اعراف' یونس' ھود' ابراہیم' کہف' مریم' طہ' انبیاء' حج' مومنون' فرقان' شعراء' نمل' قصص' صف' حدید' توبہ' احزاب وغیرہ

(۲۹) یوسف' انعام اور غافر

(۳۰) بقرہ' آل عمران' نساء' مائدہ' انعام' مریم' احزاب' شوریٰ' زخرف' حدید اور صف۔

(۳۱) ھود -- آیت' ۵۳' شعراء -- آیت' ۱۲۴' اعراف -- آیت' ۶۵

(۳۲) غافر -- آیت' ۳۲' ق -- آیت' ۱۲' نجم -- آیت' ۵۲' قمر -- آیت' ۹' تحریم -- آیت' ۱۰' نوح -- آیت' ۲۱

(۳۳) اعراف -- آیت' ۷۳۔ ۷۵۔ ۷۷' ھود -- آیت۔ ۶۱۔ ۶۴۔ ۸۹

(۳۴) اعراف -- آیت' ۶۵' ھود -- آیت' ۵۰۔ ۵۳' ۵۸' ۶۰' ۸۹' ذاریات آیت' ۴۱' حاقہ -- آیت' ۴۔ ۶' فجر -- آیت' ۸۹

(۳۵) اعراف -- آیت۔ ۸۵' توبہ -- آیت۔ ۷۰' ھود -- آیت۔ ۸۴۔ ۹۵

(۳۶) بقرہ -- آیت' ۶۵' نساء -- آیت' ۴۷۔ ۱۵۴' اعراف -- آیت' ۱۶۳' نحل -- آیت' ۱۲۴ اور سورہ لیل

(۳۷) طہ -- آیت' ۳۹' قصص -- آیت' ۹' تحریم -- آیت' ۱۱

(۳۸) اعراف' یونس' طہ' شعراء اور قصص (۳۹) سورہ غافر -- آیات' ۲۸' ۲۹' ۳۴

(۴۰) اعراف -- آیت ۱۲۴۔ ۱۲۳' تحریم -- آیت۔ ۱۱' بقرہ -- آیت۔ ۵۰' انفال آیت۔ ۵۴' شعراء -- آیت۔ ۶۶' عنکبوت -- آیت۔ ۴۰۔ ۳۹' قصص آیت۔ ۷۶۔ ۷۹' غافر -- آیت۔ ۲۳۔ ۲۵' ق -- آیت۔ ۱۲ وغیرہ

(۴۱) سورہ روم -- آیات' ۲۔ ۶ (۴۲) سورہ انفال -- آیت' ۷

(۴۳) سورہ قصص -- آیت' ۸۵ (۴۴) سورہ فتح -- آیت' ۲۷

(۴۵) سورہ مائدہ -- آیت' ۶۷ (۴۶) سورہ حجر -- آیت' ۹۵

***

"آیہ نَفَر" تحقیق کے آئینے میں

قسط اول

علی نصیری
مترجم: محمد حسنین نادر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۱)

سب مومنین کو ایک ساتھ جنگ پر نہیں نکلنا چاہیے۔ ہر گروہ سے کچھ لوگ کیوں مسافرت اختیار نہیں کرتے تاکہ دین خدا میں آگاہی حاصل کریں اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئیں تو انہیں ڈرائیں۔ شاید وہ ناپسندیدہ اعمال سے پرہیز کریں۔

چونکہ مذکورہ آیت میں نفر کا لفظ استعمال ہوا ہے لہٰذا اسے آیۃ "نفر" کہا جاتا ہے جب کہ "آیۃ الکرسی" اور "آیۃ نور" کی نامگذاری اسی قبیل سے ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض آیات کی نامگذاری ان کے نزول کے تھوڑے ہی عرصے بعد خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مشہور ہو گئی تھی۔ (۲) کسی لفظ سے آیت کی نامگذاری جہاں اس آیت میں لفظ کے استعمال کی آئینہ دار ہوتی ہے وہاں ایک ایسے اہم مطلب کی بیان گر بھی ہوتی ہے کہ جس پر آیت صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔ شاید "آیۃ نفر" بھی اس قاعدے سے خارج نہ ہو۔

اصول فقہ کی کتابوں میں بہت ہی کم موارد میں قرآنی آیات کو شاھد کے طور پر لایا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مذکورہ بالا آیت سے دو مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ خبر واحد کی حجیت کے باب میں (۳) اور دوسرا، عالم کی تقلید کے وجوب کے باب میں (۴) اس آیت میں صاحبان دین کی بات کو قبول کرنا

لازم ٹھہرایا گیا ہے نیز اس مطلب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ملاک و معیار کے لحاظ سے (حجت کے اعتبار سے) معصوم کے فرمان، روایت اور انذار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ اس مقدمہ کی روشنی میں ہر وہ خبر شرعاً" حجت ہو گی کہ جس کا راوی عادل ہو۔ جیسا کہ تفقہ (آگاہی) کو علم دین کے حصول کی خاطر وطن چھوڑنے والوں کے ساتھ مخصوص کرنے کا مقصد بھی قوم پر ان کی پیروی کو لازمی ٹھہرانا ہے۔

بہرحال اس مقالہ میں ہمارا ہدف اس آیت کے ضمن میں کی جانے والی اصولی بحثوں کو چھیڑنا نہیں ہے بلکہ ان اہم نکات کی طرف قارئین کی توجہ دلانا ہے جن کی طرف آیہ مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان مطالب کا جاننا جہاں علمی مدارس کے محققین کے لئے بہت مفید ہے وہاں تمام مسلمانوں کے لئے بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ لیکن ابتداء میں آیہ شریفہ کے حوالے سے مفسرین کے اقوال کو مورد بحث قرار دینا مناسب ہوگا۔

آیت نفر مفسرین کی نظر میں

مفسرین کی طرف سے بطور کلی اس آیت کی چار مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ اختلاف کا سبب درج ذیل دو امر ہو سکتے ہیں۔

۱۔ آیت کے شان نزول کے عنوان سے بیان کی جانے والی روایات کا اختلاف ان روایات میں آیت شریفہ کے تین طرح کے شان نزول بیان کئے گئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی آیت کے شان نزول سے آگاہی اس کی صحیح تفسیر میں بہت مدد دیتی ہے لیکن مذکورہ آیت کے شان نزول کے حوالے سے بیان کی جانے والی روایات نہ فقط سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں بلکہ باہم بھی بڑی حد تک مختلف ہیں۔ (۵)

۲۔ آیہ شریفہ میں استعمال ہونے والے کلمات اور ضمیروں کی کثرت و تکرار: قرآن کریم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی آیات ابتدائی طور پر مختلف احتمالات پر قابل انطباق محسوس ہوتی ہیں لیکن استدلال کی مدد سے دقیق غور و فکر کے بعد کسی ایک نظریہ کی طرف راہنمائی کرتی ہیں لہٰذا آیہ شریفہ میں استعمال ہونے والے کلمات کا تکرار اور ضمیروں کی کثرت کے سبب سے ابتدائی مرحلے میں مذکورہ مختلف تفسیروں میں سے کسی بھی تفسیر کو اختیار کرنے کا راستہ کھلا ہے گو کہ یہ تفاسیر نتیجہ گیری میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

آیہ مبارکہ کے معنوں **مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً** اور **فلو لا نفر** میں لفظ "نفر" مذکورہ چار تفسیروں میں یا تو جہاد کے لئے کوچ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا پھر حصول علم کے لئے کوچ کرنے کے معنی میں۔ اگر یہ لفظ فقط جہاد کی خاطر کوچ کرنے کے معنی میں ہو تو دو صورتیں متصور ہیں۔

۱) باقی ماندہ لوگ (جہاد پر نہ جانے والے) دین میں سوجھ بوجھ حاصل کریں اور کوچ کرنے والوں کو ان کی واپسی پر انذار کریں اور ڈرائیں (احکام الٰھی کی مخالفت سے)

۲) مجاہدین دوران جہاد قدرت الٰہی کی نشانیوں کا ملاحظہ کرنے اور دین میں فہم و فراست کے حصول کے بعد باقی ماندگان کو انذار کریں۔ ایک اور ممکنہ صورت یہ ہے کہ آیہ شریفہ کے دونوں مرحلوں میں "نفر" کا لفظ فقط حصول علم کے لئے کوچ کرنے کے معنوں میں استعمال ہو اور چوتھی صورت یہ ہے کہ پہلے جملے میں "نفر" کا معنی جہاد کے لئے نکلنا لیا جائے اور دوسرے جملے میں "نفر" سے مراد تحصیل علم کے لئے سفر کرنا ہو۔ اب ہم ان چاروں صورتوں (تفسیروں) میں سے ہر ایک کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی تفسیر

پہلی تفسیر کی بنیاد پر آیت کا معنی کچھ یوں ہو گا۔ "ضروری نہیں ہے کہ سب مومنین جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں بلکہ ہر قبیلے سے ایک گروہ جہاد پر جائے اور باقی ماندگان پیامبر اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی آیات اور آپ ؐ کی رفتار و گفتار سے علمی فائدہ اٹھائیں اور جب مجاہدین میدان جنگ سے لوٹ کر آئیں تو انہیں آیات الٰہی اور روایات نبوی ؐ سنا کر (ناپسندیدہ اعمال کی بجا آوری سے) ڈرائیں"

واضح رہے کہ مذکورہ تفسیر میں دونوں جملوں میں "نفر" کا معنی جہاد کے لئے نکلنا لیا گیا ہے اور مدینہ منورہ کو کوچ کرنے کا مبدا قرار دیا گیا ہے۔ ابن کثیر (۶)' آلوسی (۷)' محمد عبدہ (۸) اور تفسیر نمونہ (۹) نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اور مرحوم طبرسی نے بھی آیہ شریفہ کی تفسیر میں تین مختلف آراء پیش کرتے ہوئے اسی رائے کو اولویت دی ہے۔ (۱۰) اس تفسیر کا محور و منبع وہ روایت ہے جو ابن عباس سے نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "جب پیامبر اکرم ﷺ میدان جنگ کی طرف نکلتے تو منافقین و معذرین کے علاوہ دیگر مسلمان آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ لیکن غزوہ تبوک میں منافقین کی واضح منافقت کے بعد جب بعض آیات میں ان کی مذمت کی گئی تو مومنین نے کہا: "خدا کی قسم ہم اب تمام غزوات اور سرایا میں شرکت کریں گے۔ لہٰذا جب پیامبر اکرم ﷺ نے ایک سریے کی آمادگی کا حکم دیا تو تمام مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے پیامبر اکرم ﷺ کو مدینہ میں تنہا چھوڑ دیا"

چنانچہ اس واقعہ کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ سب کے سب ایک ساتھ جہاد کے لئے نہ نکلیں' تمام افراد کا ایک ساتھ جہاد کے لئے نکل کھڑا ہونا شائستہ امر نہیں ہے۔ (۱۱)

بہر حال درج ذیل نکات اس تفسیر کے نارسا ہونے کو آشکار کرتے ہیں۔

۱۔ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر ضروری موارد میں خداوند نہیں چاہتا کہ تمام مومنین جہاد کے لئے مدینہ سے کوچ کریں لیکن جہاں تک باقی ماندہ لوگوں کے حصول علم اور پھر مجاہدین کے انذار کا تعلق ہے تو اس کی طرف روایت میں کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔

۲۔ یہ تفسیر تقدیر کی محتاج ہے لہٰذا آیہ کے ظاہر سے مخالفت رکھتی ہے کیونکہ "لیتفقھوا" کی ضمیر کا مرجع ظاہراً" کوچ کرنے والے ہیں جبکہ اس تفسیر میں باقی ماندگان کو مرجع قرار دیا گیا ہے۔

مذکورہ اشکال کے مدنظر تفسیر نمونہ میں کہا گیا ہے کہ "جو کچھ اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے وہ اس کے مشہور شان نزول سے مطابقت کے علاوہ کسی بھی دوسری تفسیر کی نسبت آیت کے ظاہر سے زیادہ موافقت نہیں رکھتا ہے۔ فقط من کل فرقة منهم طائفة کے بعد لتبقى طائفة کے جملے کو مقدر ماننا ضروری ہے۔ یعنی ہر فرقے سے ایک گروہ جہاد کے لئے جائے اور دوسرا گروہ باقی رہے۔ آیت میں موجود قرائن کی روشنی میں اس تقدیر میں کوئی مشکل بھی ایجاد نہیں ہو گی۔" (۱۲)

مذکورہ تفسیر میں شان نزول کو اگرچہ مشہور قرار دیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے مشہور ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی بلکہ باقی مذکورہ شان نزولوں سے کسی بھی صورت یہ شان نزول زیادہ شہرت نہیں رکھتا اور نہ ہی آیت کے ظاہر کی ممانعت پر اس شان نزول کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کی گئی ہے۔ حالانکہ جب تک ممکن ہو قرآن کے ظاہر کی مخالفت کا ارتکاب صحیح نہیں ہوتا ہے اور مذکورہ آیہ میں ایسا امکان موجود ہے۔

انذار اس وقت مناسب ہوتا ہے جب مخاطب اہل غفلت میں سے ہو اور احکام کی بجا آوری میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہو، جب کہ "لعلھم یحذرون" کا جملہ اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے جبکہ وہ سربکف مجاہد جو اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر جہاد کرتے ہیں۔ اہل غفلت میں سے نہیں ہو سکتے۔

دوسری تفسیر

ابن جریر طبری نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ "لیتفقھوا" کی ضمیر کا مرجع مدینہ میں رہ جانے والے مسلمان نہیں بلکہ جہاد کے لئے کوچ کرنے والا گروہ ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ گروہ جہاد کے دوران نصرت الٰہی اور مشرکین کی شکست کے مشاہدے کے ذریعے دین میں سوجھ بوجھ حاصل کر کے واپسی پر اپنی قوم کو احکام الٰہی کی مخالفت سے ڈرائیں۔ خود ابن جریر کا نظریہ بھی یہ ہے کہ یہ تفسیر حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ (۱۳)

یہ تفسیر پہلی تفسیر کے برعکس ہے۔ کیونکہ پہلی تفسیر کی بنا پر مدینہ میں باقی رہ جانے والا گروہ انذار کرنے والا طبقہ قرار پاتا ہے جبکہ اس تفسیر کی بنا پر مجاہدین انذار کرنے والے ہیں۔ سید قطب نے بھی اس تفسیر کی حمایت میں دلائل دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

"اسلام ایک دقیق اور متحرک دین ہے اور اس کی سوچ سمجھ جہاد پر نکل کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے کیونکہ جہاد کے دوران مجاہدین اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (۱۴) دین میں سوجھ بوجھ، تحرک اور ہمہ جانبہ، جستجو ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور ایک غیر متحرک اور گوشہ عزلت میں بیٹھے فقیہ سے دینی فہم و فراست حاصل نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ لوگ جن کی تمام تر محنت اور زحمت فقط کتابوں کی ورق گردانی میں منحصر ہو وہ اسلام کے تازہ اور جدید احکام سے آشنا نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ متحرک نہیں ہیں، ایک ایسا تحرک اور ایک ایسی ہمہ جانبی جستجو کہ جس کا ہدف انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں لانا ہو۔"(۱۵)

درج ذیل دلائل کی بناء پر یہ دلیل بھی قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ آیہ شریفہ کے جو شان نزول بیان کئے گئے ہیں یہ تفسیر ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مطابقت نہیں رکھتی۔

۲۔ آیت کے ظاہر سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے میں نفر کا ہدف دین میں فہم و فراست کا حصول ہے لہٰذا تفقہ (فہم و فراست) ہدف ہو گا نہ کہ فائدہ۔ حالانکہ اگر نا فرین سے مراد مجاہدین ہوں تو ان کا اصلی ہدف دین میں تفقہ نہیں بلکہ دین کا دفاع ہوتا ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ اس دفاع کے ضمن میں انہیں یہ علمی فائدہ بھی حاصل ہو جائے۔

۳۔ دوران جنگ قدرت الٰہی کی علامتوں کا مشاہدہ، مشرکین پر مومنین کے غالب آنے کے الٰہی وعدے کا تحقق اور غیبی امداد۔ یہ وہ امور ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن نے تصریح فرمائی ہے اور ان کا انکار ممکن نہیں ہے لیکن اس قسم کے امور کے مشاہدے پر "تفقہ فی الدین" کا اطلاق قابل قبول نہیں ہے۔ محمد عبدہ نے طبری کی رائے نقل کرنے کے بعد یوں تبصرہ فرمایا ہے:

یہ تاویل غلط ہے اور آیہ مبارکہ کے نظم کے منافی ہے کیونکہ مشرکین پر فتحیابی سے مومنین کی سبق آموزی پر کہ بعض مواقع پر جس کے برعکس بھی اتفاق ہوا (اور مومنین کو ہزیمت اٹھانا پڑی) "تفقہ فی الدین" کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اگرچہ ممکن ہے کہ فقہ بمعانی عام ایسے موارد کو بھی شامل ہو، کیونکہ تفقہ اس علم و معرفت کو کہا جاتا ہے کہ جو دشواری سے اور درجہ بدرجہ حاصل ہو۔ (۱۶)

تیسری تفسیر

اس تفسیر کی بنا پر آیہ مبارکہ کا معنی کچھ یوں ہو گا۔

ضروری نہیں ہے کہ سب کے سب مومنین حصول علم کے لئے مدینہ کا رخ کریں بلکہ ہر قبیلے سے ایک گروہ کو کوچ کرنا چاہیے، تاکہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم سیکھنے اور دین میں فقاہت کی قوت

پیدا کرنے کے بعد یہ گروہ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے اور اسے ڈرائے۔

مجاہد' (۱۷)۔ جبائی' (۱۸)۔ اور زمخشری (۱۹) نے اس تفسیر کا انتخاب کیا ہے اور مرحوم طبرسی نے جوامع الجامع میں اسے منتخب فرمایا ہے۔ (۲۰) جبکہ مجمع البیان میں تیسرے احتمال کے عنوان سے اسے ذکر فرمایا ہے۔ (۲۱) آلوسی کا کہنا ہے:

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ اس آیت میں کوچ کرنے سے مراد تحصیل علم کے لئے سفر اختیار کرنا ہے لہٰذا اس آیت کا پہلے والی آیات جو کہ جہاد کے متعلق ہیں' سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ ہجرت اور جہاد کی خاطر سفر جو کہ عبادت میں شامل ہوتا ہے' کو واجب قرار دینے کے بعد خداوند عالم نے ایک اور سفر کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ ہے تحصیل علم کے لئے سفر کرنا۔ بنا براین جملہ "**یتفقھوا**" اور "**ینذرو**" کی ضمیریں کوچ کرنے والے گروہ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ (۲۲)

جس طرح کہ آلوسی نے اشارہ کیا ہے' اس تفسیر کا دیگر تفاسیر سے اساسی فرق یہ ہے کہ دونوں فقروں میں (ینفروا۔ نفر) مسافرت کا ہدف حصول علم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس تفسیر کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو آیت کی شان نزول میں ابن عباس سے منقول ہے' یہ آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب پیامبر اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کو لعنت کی تو ان کا علاقہ خشک سالی میں مبتلا ہو گیا اور پورے قبیلے کے لوگ موت سے جان بچانے کے لئے مدینہ آ نکلے۔ ظاہری طور پر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا حالانکہ باطنی طور پر وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کے ہجوم کے سبب پیامبر اکرم ﷺ کا کام خاصہ دشوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ ؐ سے حرج دور کرنے کے لئے آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور لوگوں سے کہا گیا کہ وہ یکبارگی مدینہ کا رخ نہ کریں۔ (۲۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ روایت کا آیہ شریفہ کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اور نہ ہی یہ روایت آیت کے شان نزول کی بیان گر ہے کیونکہ آیہ مبارکہ کا تعلق ان لوگوں سے ہے کہ جو خلوص نیت سے معارف دینی کے ادراک کی خاطر مرکز اسلام (مدینہ) کا رخ کرتے تھے۔ بھلا اس آیت کا مصداق وہ لوگ کیونکر ہو سکتے ہیں جو قحط سالی سے فرار کی خاطر ظاہراً" اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مدینہ آ نکلے؟ اس تفسیر کی ایک اور اساسی خامی یہ ہے کہ یہ تفسیر آیات کے سیاق و سباق سے نا سازگار ہے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد کی آیات جہاد سے مربوط ہیں لہٰذا ان کے درمیان ایک آیت کا بطور کلی "طلب علم" نامی ایک غیر مربوط مسئلے کا بیان گر ہونا دشوار لگتا ہے۔ اس تفسیر میں تیسرا ضعف یہ ہے کہ تاریخی حقائق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ تاریخ بشریت اور تاریخ اسلام میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم یا علاقے کے تمام لوگوں نے ایک ساتھ حصول علم کی خاطر اپنے گھروں سے کوچ کیا ہو کیونکہ ایسا کرنا عملی طور بہت مشکل ہے اور حصول علم کی توانائی اور سختیاں برداشت کرنا ہر ایک کے

بس کا روگ نہیں ہے۔ انسانی طبائع کچھ اس طرح ہیں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب لوگ دیگر تمام کام چھوڑ کر حصول علم میں مصروف ہو جائیں۔ خواہ دینی علم ہی کیوں نہ ہو اور پھر آیت نازل ہو کہ جو انہیں اس کام سے روکے۔

چوتھی تفسیر

اس تفسیر کے مطابق پہلے جملے "ما کان المومنون لینفروا کافة" میں "نفر" سے مراد جہاد کے لئے کوچ کرنا اور دوسرے جملے "فلو لا نفر" میں نفر سے مراد دینی علم حاصل کرنے کے لئے مسافرت کرنا ہے۔ اس تفسیر کو علامہ طباطبائیؒ نے اپنی تفسیر المیزان میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

آیہ مبارکہ کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لینفروا کافة سے مراد جہاد کی طرف کوچ کرنا ہے اور آیت کا معنی یوں ہے: جائز نہیں ہے کہ پورے شہر کے مومنین جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ ہر فرقہ سے ایک گروہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے دینی سوجھ بوجھ حاصل کرے اور پھر علم پر عمل پیرا ہونے کے بعد اپنی قوم میں جا کر دینی معارف کو پھیلائے۔ (۲۴)

یہ تفسیر جہاں پہلے والی تفاسیر کے برعکس، نقاط ضعف سے مبرا ہے وہاں کئی ایک امور اس کی تائید بھی کرتے ہیں۔

۱۔ سیاق

جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے اس آیہ مبارکہ سے پہلے اور بعد کی آیات جہاد سے مربوط ہیں اور وحدت سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت بھی جہاد پر ناظر ہو اور پہلے جملے میں "نفر" کو جہاد کے ساتھ مختص کرنے سے یہ تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علامہ مرحوم نے اس تفسیر کے انتخاب کی دلیل سیاق ہی کو قرار دیا ہے۔

۲۔ شان نزول

شان نزول کے حوالے سے بیان کی جانے والی روایات اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں۔

الف۔ پہلی تفسیر کے ذیل میں ابن عباس سے نقل کیا جانے والا شان نزول اس تفسیر کے مطابق ہے۔ اس روایت میں کہا گیا تھا کہ منافقین کی جہاد میں عدم شرکت پر ان کی مذمت میں جب آیات نازل ہوئیں تو مسلمانوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ سب کے سب تمام جنگوں میں شرکت کریں گے لیکن یہ امر جس چیز کا باعث بن سکتا تھا وہ یہ تھی کہ مومنین اپنے مسائل سے بے خبر رہ جائیں لہٰذا آیۃ مبارکہ نازل ہوئی اور مسلمانوں سے تقاضا کیا گیا کہ وہ ایک ساتھ جہاد پر نہ جائیں لیکن ہر قبیلہ سے کچھ لوگ مدینہ میں آکر دینی تعلیم حاصل کریں، دینی فہم فراست حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو انذار کریں۔

ب۔ اس آیت کے ذیل میں عوفی نے ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے:
عربوں کے ہر قبیلے سے کچھ لوگ پیامبر اکرم ﷺ کے پاس آتے تھے' دینی امور کے بارے میں سوال کرتے تھے اور ان مسائل سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد رسول خدا ﷺ سے پوچھتے کہ اب ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اور اپنی قوم کے پاس لوٹ جانے کے بعد کیا کام ہمارے ذمہ ہے؟ پیامبر اکرم ﷺ انہیں فرمان الٰہی کی اطاعت اور اپنے اوامر کی انجام دہی کا حکم دیتے اور ان سے تقاضا کرتے کہ وہ اپنی قوم کو نماز پڑھنے اور زکواۃ دینے کی تلقین کریں اور انہیں کہیں کہ جو بھی اسلام لائے وہ ہم میں سے ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کو انذار کرتے تھے اس انذار سے بعض اوقات باپ بیٹے اور ماں بیٹے کے درمیان جدائی ہو جاتی تھی۔ (۲۵)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آیہ نفر کے نزول کے بعد مومنین پر واضح ہو گیا کہ وہ دینی علم حاصل کرنے کے لئے کس طرح پیامبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ دینی علوم سیکھنے کے بعد اپنی قوم کی ہدایت کر سکیں اور یہ روایت واضح طور پر چوتھی تفسیر کی تائید کرتی ہے

ج۔ وہ روایات جو آئمہ اطہار علیہم السلام کے آیہ نفر سے استشہاد پر دلالت کرتی ہیں' اسی چوتھی تفسیر کی تائید کرتی ہیں مثلاً" امام صادقؑ کی خدمت میں عرض ہوا کہ کچھ لوگ پیامبر اکرم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "اِخْتِلَافُ اُمَّتِی رَحْمَةٌ" (امت کا اختلاف رحمت ہے۔) تو آپؑ نے فرمایا سچ کہتے ہیں عرض ہوا اگر امت کا اختلاف رحمت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پس ان کا اتفاق عذاب ہے! امام علیہ السلام نے جواب دیا مراد یہ نہیں ہے جو آپ اور انہوں نے لی ہے بلکہ آنحضرتؐ کا مقصود وہی فرمان الٰہی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے **فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة** خداوند عالم نے اس آیہ میں مومنین سے تقاضا کیا کہ وہ پیامبر اکرمؐ کے پاس آمد و رفت رکھیں تاکہ دین کا علم سیکھیں اور پھر اپنی قوم کو سیکھانے کے لئے ان کے پاس لوٹ جائیں۔ مقصود دوسرے شہروں سے (پیامبر اکرمؐ کے پاس) آمد و رفت ہے نہ کہ دین الٰہی میں اختلاف! دین خدا تو ایک ہی ہے۔ (۲۶) امام علیہ السلام کے فرمان کا وہ آخری حصہ جس میں فرماتے ہیں کہ مقصود دوسرے شہروں سے (مدینہ) آمد و رفت ہے۔ پہلی دو تفسیروں پر خط بطلان کھینچ دیتا ہے کہ جن میں کوچ کرنے کا مبداء مدینہ کو قرار دیا گیا ہے۔ نیز **فلو لا نفر**..... کی حصول علم کے لئے مسافرت سے تفسیر ایسی چوتھی تفسیر کی تائید کرتی ہے۔

یعقوب بن شعیب سے بھی مروی ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: جب کبھی امام حاضر کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو لوگوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ امام علیہ

السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے ان کی ذمہ داری متعین فرما دی ہے۔ **فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة** میں نے عرض کی اس گروہ کے حصول علم تک لوگوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: لوگ (اس وقت تک) معذور ہیں۔ (۲۷)

اس روایت میں بھی دوسرے فقرے میں لفظ "نفر" سے مراد طلب علم کے لئے مسافرت اختیار کرنا لیا گیا ہے کیونکہ امام کی معرفت ہر قوم کا فرض ہے اور یہ شناخت دین کی معرفت کا واضح مصداق ہے۔ امام علیہ السلام کا پہلے جملے **ما کان المومنون لینفروا کافة** سے استفسار نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جملہ جہاد سے مربوط ہے نہ کہ تحصیل علم سے

اب تک کی بحث سے معلوم ہو گیا ہے کہ مذکورہ تفاسیر میں سے فقط چوتھی تفسیر قابل قبول ہے۔ اب جبکہ آیہ مبارکہ کا معنی اور تفسیر واضح ہے' ان چند اہم نکات کا ذکر اگلی قسط میں کیا جائے گا جن کا آیہ مبارکہ "نفر" سے استفادہ ہوتا ہے۔

***

حوالہ جات

۱۔ التوبہ' ۱۲۲ ۲۔ اصول کافی' ج ۴۔ ص ۴۲۷

۳۔ کفایة الاصول' اخوند خراسانی ج ۲' ص ۹۲۔ رسائل شیخ انصاری ج۱۔ ص ۱۶۲

۴۔ تفسیر نمونہ ج ۸۔ ص ۱۹۳' اصول الفقہ' مظفر ج ۲۔ ص ۷۵ ۔ ۸۰

۵۔ التمہید' استاد معرفت' ج۱ ص ۲۴۵' البرہان زرکشی' ج ۲ ص ۱۵۶۔ الاتقان' سیوطی' ج ۴ ص ۱۸۰

۶۔ تفسیر القرآن العظیم' ج۲۔ ص ۴۰۱ ۷۔ روح المعانی' ج۱۱' ص ۴۸

۸۔ المنار' ج۱۱' ص ۹۔ تفسیر نمونہ' ج۸' ص ۱۹۰

۱۰۔ مجمع البیان' ج۳' ص ۸۳ ۱۱۔ مدرک سابق

۱۲۔ تفسیر نمونہ' ج۸' ص۱۹۱ ۱۳۔ جامع البیان ج۱۱' ص ۵۲

۱۴۔ ظلال القرآن' ج۴' ص ۳۴۳ ۱۵۔ مدرک سابق

۱۶۔ المنار' ج۱۱' ص ۸۰ ۱۷۔ روح المعانی' ج ۱۱' ص ۴۹

۱۸۔ مجمع البیان' ج ۳' ص ۸۳ ۱۹۔ تفسیر الکشاف' ج۲' ص ۳۲۲

۲۰۔ جوامع الجامع' طبرسی' ج۲ ص ۹۲ ۲۱۔ مجمع البیان ج ۳' ص ۸۴

۲۲۔ روح المعانی' ج ۱۱' ص ۴۹ ۲۳۔ تفسیر القرآن العظیم' ج ۲' ص ۴۰۱

۲۴۔ تفسیر المیزان' علامہ طباطبائی' ج ۹' ص ۴۰۳ ۲۵۔ تفسیر القرآن العظیم ج ۲' ص ۴۰۱

۲۶۔ تفسیر صافی' ج ۱' ص ۷۴۰ ۲۷۔ تفسیر عیاشی' ج ۲' ص ۱۱۷

قراء سبعة اور سبعة احرف

علامہ سید علی نقی

تدوین قرات اور عدم تحریف قرآن کے حوالے سے یہ موضوع انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم نے علامہ نقی مرحوم کے آثار میں سے اس موضوع پر یہ مختصر مطالب آغاز گفتگو کے لئے اقتباس کر کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔ اہل علم سے اس موضوع پر تحقیقی مقالات سپرد قلم کرنے کی گزارش ہے۔ اس کے لئے المیزان کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

قرآن مجید جب سے یکجا کی گئی اور اس کے الفاظ کی صورت وہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی روا نہ سمجھی گئی جس کی بناء پر اس کو وہ تواتر کا درجہ حاصل ہوا جو دنیا کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

یہاں تک کہ بعض املا کی غلطیاں جو پہلے کاتب سے اتفاقاً ہوگئی تھیں جیسے لا اذبحنه کا درمیانی الف اور اسی طرح لا اوضعوا کا بیچ کا الف ' وہ اب تک قائم رکھی گئیں اور قرآن کی کتابت میں اس سے کافی تقویت پہنچتی ہے۔

یورپ میں اس وقت بعض قلمی کتابوں کا فوٹو اتار کر شائع کر دیا جاتا ہے یا اگر اس کو نقل کرتے ہیں تو یہ ملحوظ رکھتے ہیں کہ جو لفظ جس طرح لکھی ہے 'اس کو اسی صورت سے نقل کیا جائے اس میں اگر کہیں کتابت اور املاء کی غلطی بھی ہوتی ہے تو اس کو باقی رکھتے اور حاشیہ پر یا فٹ نوٹ میں لکھ دیتے ہیں کہ یہ لفظ صحیح معلوم نہیں ہوتی ۔ بظاہر اس میں یہ غلطی ہے اور صحیح یوں ہے ۔ اس طرح حفاظت اور اہتمام پر روشنی پڑتی ہے جس سے کتاب کے اعتبار کو قوت حاصل ہوجاتی ہے لیکن جس طرح موجودہ زمانہ میں قاری ہوتے ہیں' جن میں سے بعض قرآن مجید کے پڑھنے میں طریقہ تلفظ اور ادائے حروف کے سلسلہ میں ایسی فنکاریاں کرتے ہیں کہ لفظ کی آواز میں کچھ کا کچھ انقلاب آجاتا ہے' اسی طرح صدر اسلام میں بھی قاریان قرآن بہت سے تھے اور ہر ایک کا طریقہ قرات ادائے حروف میں مختلف تھا' اس سے بہت سی قرائتیں پیدا ہوگئیں اور ہر قاری کے جو شاگرد تھے وہ استاد کی پیروی میں اسی طریقہ خاص کے پابند ہوگئے۔

ان قاریوں کی قراتیں نہ رسول ﷺ سے لی گئی تھیں اور نہ ائمہ معصومین میں سے کسی سے اخذ کی گئی تھیں اس لیے انھیں دینی حیثیت سے کوئی سند حاصل نہ تھی پھر ان کی تعداد بھی محدود نہ تھی بلکہ یہ کثیر التعداد اشخاص ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہتے تھے جو اپنے اپنے ذوق طبعی کے لحاظ سے ادائے الفاظ میں جدتیں کرتے تھے اور اسے مستقل قرات کا درجہ دیتے تھے' لیکن بالکل اسی طرح جیسے فقہاء کی کثیر التعداد جماعت میں جب بادشاہ کی نظر توجہ اور عام خلقت کے میلان طبع نے چار آدمیوں کو خاص طور سے پسند کرلیا تو اہلسنّت میں وہ چار بزرگ اس طرح مستند قرار پاگئے کہ ان کے بعد اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا گیا۔ اسی طرح ان تمام قاریان قرآن میں سے سات آدمیوں کو منتخب کرکے انھیں " قراء سبعہ " کے نام سے تمام امت کا مرکز قرار دے دیا گیا کہ انہی سات آدمیوں میں سے ایک شخص کی قرات کے مطابق پڑھنا جائز ہے۔

ان ساتوں قراتوں پر اتفاق کرلینے کے بعد دینی ماخذوں میں ان کے لیے سند تلاش کی گئی تو ایک حدیث دستیاب ہوگئی کہ " نزل القرآن " علٰی سبعة احرف " قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ " جس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ ساتوں قراتیں وہ ہیں جو منشائے الٰہی کے مطابق ہیں۔

حالانکہ خود یہ حدیث اپنے الفاظ و معنی کے اعتبار سے اس درجہ مضطرب و مبہم ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ اس میں چالیس قول ہیں۔

اس سب کے بر خلاف ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی یہ حدیث قرآنی عظمت کے بالکل مطابق ہے کہ :

ان القرآن واحد نزل من عند واحد۔

قرآن کی بس ایک شکل ہے اور وہ ایک ذات بے ہمتا کے پاس سے اترا ہے۔

اور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ سات حرف جو ہیں وہ تفسیری پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

عن زرارہ عن ابی جعفرؑ قال تفسیر القرآن علٰی سبعة احرف منہ ماکان ومنہ مالم یکن بعد ذالک تعرفہ الائمة۔

زرارہ کی روایت ہے 'امام محمد باقرؑ سے' آپؑ نے فرمایا کہ قرآن کی تفسیر کی سات نوعیتیں ہیں ان میں کچھ ماضی سے متعلق ہیں جس کا وقوع ہوچکا اور کچھ مستقبل سے متعلق ہیں جس کا وقوع ابھی نہیں ہوا اس سب کو آئمہ معصومین جانتے ہیں۔

سبعة احرف کی یہی تشریح قرآنی عظمت وجلالت سے تناسب رکھتی ہے۔

قرآن کتاب ہدایت

تصور علی جوادی

موجودات عالم میں کوئی بھی چیز عبث و بے جا نہیں بلکہ ہر چیز کسی نہ کسی مقصد کی خاطر خلق کی گئی ہے۔ ہم نے اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ خود نزول قرآن کا مقصد کیا ہے؟ اس ضمن میں ہم قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں کہ قرآن کس مقصد کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ النمل میں ارشاد ہوتا ہے:

تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ

قرآن اور روشن کتاب کی یہ آیات ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہیں۔ (۱)

اس آیہ مبارکہ میں قرآن کو ہدایت اور بشریٰ للمومنین قرار دیا گیا۔ اسی طرح سورہ یونس میں قرآن کو موعظہ، شفا، ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور موعظہ آیا ہے۔ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اس کے لئے باعث شفا ہے اور صاحبان ایمان کے لئے رحمت ہے۔ (۲)

ان آیات میں جو چیز مشترک ہے وہ یہ ہے کہ قرآن انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ نزول قرآن کا اہم ترین مقصد ہدایت بشری ہے۔ بلکہ قرآن میں جب گزشتہ کتب سماویہ کا تذکرہ آتا ہے تو خالق اکبر نے ان کتب کو بھی کتاب ہدایت ہی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ

اس (قرآن) سے پہلے توریت اور انجیل اتاریں جو لوگوں کے لئے ہدایت ہیں۔ (۳)

اس آیت میں تورات اور انجیل کی وجہ نزول اس زمانے کے لوگوں کی ہدایت بیان کی گئی ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

بے شک ہم نے توریت نازل کی۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ (۴)

اس آیہ مجیدہ میں فرمایا کہ ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اب یہاں پر ہدایت کے ساتھ ساتھ توریت کو نور کہا گیا۔ اسی طرح انجیل کے بارے میں ملتا ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ

اور ہم نے اسے انجیل عطا کی' جس میں ہدایت اور نور ہے۔ (۵)

پھر سورہ الانعام میں کتاب موسیٰ (توریت) کے متعلق حکم ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ

(اے پیغمبرؐ!) آپ فرما دیجئے: کس نے وہ کتاب نازل کی جو موسیٰؑ لائے تھے' روشنی اور لوگوں کی ہدایت۔ (۶)

ان آیات میں آسمانی کتابوں کو ہدایت اور نور کہا گیا۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ان کتب کا مقصد یوں بیان فرمایا:

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توریت) اور فرقان عطا کی تاکہ تم ہدایت پا سکو۔ (۷)

ان آیات سے واضح ہوا کہ کتب آسمانی کے نزول کا مقصد عظیم' ہدایت بشری ہے لیکن یہ کتب لے کر رکھ لینے سے ہدایت کا سامان میسر نہیں آتا۔ توریت' زبور اور انجیل وغیرہ میں تو انکے ماننے والوں نے اتنی تبدیلیاں کر دیں کہ ان کتب کی اصل شکل مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ان پر عمل نہیں' بلکہ ایمان ضروری ہے۔ البتہ قرآن حکیم جو ایک دائمی اور آفاقی کتاب ہے' جس میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی' پر ایمان کے ساتھ ساتھ عمل بھی واجب ہے۔ جہاں قرآن کو بیشتر آیات میں ہدایت قرار دیا گیا ہے' وہاں رسول خدا ﷺ کو ہادی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ذات واجب ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

اور (حبیبؐ!) تو صراط مستقیم کی (طرف) ہدایت کرنے والا ہے۔ (۸)

آیئے ایک مرتبہ پھر ان آیات کا مطالعہ کریں' جن میں قرآن کو ہدایت کہا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند ایک آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ. هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ

حکمت والی کتاب کی یہ آیات نیکوکاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔ (۹)

وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

نزول کتاب کا مقصد یہ ہے کہ لوگ جس بات میں اختلاف کریں ان پر بیان (روشن) کر دی جائے اور کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (۱۰)

و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی و هدی و رحمة و بشریٰ للمسلمین

اور ہم نے تم پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا کھلا کھلا بیان ہے اور یہ قرآن مسلمان کے لئے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے۔ (۱۱)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

یہ قرآن اس راستے کی ہدایت کرتا ہے جو قوی ترین ہے۔ (۱۲)

ہم نے اس مختصر نوشت میں دیکھنا یہ ہے کہ کتاب سے ہدایت لینے کا جو طریقہ ہم نے اپنایا ہوا ہے' کیا وہ ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے؟ ہماری بد قسمتی اور قرآن کی غربت کا یہ عالم ہے کہ وہ کتاب جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی' صرف مرنے والوں کی فاتحہ' قل یا چہلم کے موقع پر پڑھی جاتی ہے یا پھر مساجد اور امام بارگاہوں میں اس کو رسماً" پڑھایا جاتا ہے۔ حدیث میں ملتا ہے:

نَوِّرُوْا بُیُوْتَکُمْ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ

اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے منور کرو۔

لیکن کیا کتاب ہدایت سے ہم استفادہ کر رہے ہیں؟ اس کا بہتر جواب قارئین کرام خود دے سکتے ہیں۔ جو لوگ رسماً" کتاب ہدایت کا مطالعہ کرتے بھی ہیں' وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے بلکہ صرف طوطے کی طرح پڑھنے بلکہ رٹ لینے کو بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن یہ فرماتا ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا

یہ کتاب جسے ہم نے آپؐ پر نازل کیا ہے' بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر و تفکر کریں۔ (۱۳)

ہمارے معاشرے میں کتاب الٰہی مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے:

۱۔ گھر میں خیر و برکت کے لئے رکھا جاتا ہے۔
۲۔ تعویذات وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔
۳۔ وعدہ وعید اور قول و قسم وغیرہ کے لئے۔
۴۔ مرنے والوں کے ایصال ثواب کے لئے۔

۵۔ محفل میں سرنامہ کلام کے لئے تبرکاً" ایک آدھ آیت پڑھی جاتی ہے۔

مرحوم ماہر القادری نے "قرآن کی فریاد" کے عنوان سے نظم لکھ کر واقعاً" قرآن سے امت مسلمہ کے سلوک کی ترجمانی کی ہے۔ (۱۴) ضرورت اس امر کی ہے کہ آیات کتاب' حکمت و ہدایت پر غور کیا جائے' چونکہ قرآن نے حکم بھی یہی دیا ہے۔ مختلف مقامات پر تدبر فی القرآن کا حکم ملتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ قرآن کتاب ہدایت ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں ہدایت کیا ہے؟ لفظ ہدایت قرآن میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس کی بنیاد دو معانی ہیں۔

۱۔ ہدایت تکوینی ۲۔ ہدایت تشریعی

ہدایت تکوینی کیا ہے؟

ہدایت تکوینی ہدایت کی وہ قسم جو تمام موجودات عالم میں پائی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ ہدایت ہے جو تمام موجودات کو نظام خلقت کے تحت عالم ہستی کے قوانین کی پابندی کے ساتھ پروردگار عالم سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس ضمن میں حضرت موسیٰؑ کا قول نقل کرتا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

موسیٰؑ نے کہا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ہدایت کی۔ (۱۵)

ہدایت تشریعی کیا ہے؟

وہ ہدایت جو انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے انجام پذیر ہوتی ہے اور نوع انسانی کی تعلیم و تربیت سے تعمیر و ترقی کی راہیں طے کرتی ہے۔ اس کے شواہد بھی قرآن میں بہت سے ہیں۔ رہی انبیاء اور آئمہ کے ذریعے ہدایت تو اس ضمن میں ایک آیت یہ بھی ہے:

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا

ہم نے انہیں رہنما قرار دیا تاکہ ہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کریں۔ (۱۶)

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی ہدایت پرہیزگاروں کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟ مثلاً" سورہ بقرہ میں ہے۔

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۛۚ فِیۡهِ ۛۚ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ

(یہ) وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں' متقین کے لئے ہدایت ہے۔ (۱۷)

مندرجہ بالا آیت میں ہدایت کو متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ کیوں؟ یہ مسلم ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس کی ہدایت کو پرہیزگاروں کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک تقویٰ کا کچھ حصہ انسان میں موجود نہ ہو وہ قلب سلیم نہ رکھتا ہو اور حق بات قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو اس کے لئے آسمانی کتابوں اور انبیاء کی دعوت سے ہدایت کا

حصول محال ہے۔ بالفاظ دیگر جن لوگوں کے پاس ایمان نہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو حق کی تلاش میں ہیں اور اس قدر تقویٰ ان میں موجود ہے کہ جہاں کہیں حق کو پائیں گے اسے قبول کر لیں گے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو ہٹ دھرم، متعصب اور ہوا پرست لوگوں پر مشتمل ہے جو نہ صرف یہ کہ حق تلاش نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اسے دیکھتے ہیں اسے ختم کر دینے کے درپے ہوتے ہیں۔ اب یہ مسلم ہے کہ قرآن اور دوسری آسمانی کتب صرف پہلے گروہ کے لئے مفید تھیں اور ہیں بھی اور دوسرا گروہ ان کی ہدایت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ گویا فاعل کی فاعلیت کے علاوہ قبول کرنے والے میں قبولیت کی شرط بھی ہے۔ اس میں فرق نہیں کہ ہدایت تکوینی ہو یا ہدایت تشریعی

زمین شورہ زار ہر گز سنبل بر نیارد
اگرچہ ہزاران مرتبہ باران بر آن ببارد

یعنی شوردار زمین سے فصل نہیں اگتی چاہے ہزاروں مرتبہ اس پر بارش برسے۔

بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین آمادہ ہو تاکہ وہ بارش کے حیات بخش قطروں سے بہرہ ور ہو سکے۔ وجود انسانی کی سرزمین بھی جب تک ہٹ دھرمی، عناد اور تعصب سے پاک نہ ہو ہدایت کے بیج کو قبول نہیں کرتی۔ (۱۸)

***

حوالہ جات

۱۔ سورہ النمل ۱۔۲
۲۔ سورہ یونس ۵۷
۳۔ سورہ آل عمران ۳، ۴
۴۔ سورہ المائدہ ۴۴
۵۔ سورہ المائدہ ۴۶
۶۔ سورہ الانعام، ۹۱
۷۔ سورہ البقرہ، ۵۳
۸۔ سورہ الشوریٰ ۵۲
۹۔ سورہ لقمان ۳
۱۰۔ سورہ النحل، ۶۴
۱۱۔ سورہ النحل ۸۹
۱۲۔ سورہ الاسراء ۹
۱۳۔ سورہ ص، ۲۹
۱۴۔ المیزان شمارہ ۴، ص ۱۳۲
۱۵۔ سورہ طٰہٰ، ۵۰
۱۶۔ سورہ الانبیاء ۷۳
۱۷۔ سورہ البقرہ ۲
۱۸۔ تفسیر نمونہ جلد ۱

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَ عَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (الممتحنة، ۱)

اے ایمان لانے والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا سرپرست نہ بناؤ

تفسیر تدبر القرآن کا اجمالی تعارف اور خصوصیات

حافظ محمد سجاد تترالوی

تفسیر کا نام "تدبر قرآن" ہے۔ قرآن مجید کی آیت "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" سے اخذ کیا گیا ہے۔ مصنف کا نام امین احسن اصلاحی ہے۔ پہلی بار طبع ستمبر ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ مولانا اصلاحی نے اس پر کام ۱۹۵۸ء میں شروع کیا تھا اور ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ مولانا حمید الدین فراہی کے طریقہ تفسیر اور اصول تفسیر کو اپنایا گیا ہے۔ یہ عقلی انداز کی تفسیر ہے۔ نظم قرآن پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مکی و مدنی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی گئی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ

اور تحقیق ہم نے تمہیں (سورہ فاتحہ کی) بار بار دہرائی جانے والی سات (آیات) اور عظمت والا قرآن دیا۔ (۱)

ہر سورہ کا عمود اور مرکزی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ آیات کا ربط بیان کیا گیا ہے۔ لغت و زبان کی بحثیں پائی جاتی ہیں ادیبانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ شعری وسائل اور عقلی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ حدیث کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے۔ تفسیر میں زیادہ تر بائبل سے مدد لی گئی ہے۔ تدبر قرآن کی فکری تیاریاں مولانا اصلاحی کے بقول ۱۹۲۵ء میں ہی شروع ہو چکی تھیں۔ جلد ہشتم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ "۱۹۲۵ء میں مولانا حمید الدین فراہی سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ تقریباً پانچ چھ سال جاری رہا۔" اس لحاظ سے تدبر قرآن مولانا اصلاحی کی پچپن سالہ کاوشوں کا نچوڑ ہے لیکن اس میں

ان کے استاد مولانا فراہی کے فکر کو بہت دخل ہے۔ خود اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "میری فکر میرے استاذ کی فکر سے کوئی الگ نہیں بلکہ استاذ مرحوم ہی کی فکر کی توضیح و تکمیل ہے۔ انکی فکر کے جس حصہ کا تعلق براہ راست قرآن مجید سے ہے' میں نے اس کتاب میں اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اگر کوئی پہلو مجھے اس میں تشنہ محسوس ہوا ہے تو اس کا خلاء بھی پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۲)

نظم قرآن مولانا اصلاحی کا خاص موضوع ہے اور تفسیر "تدبر قرآن" میں نظم قرآن پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی بیان کیا گیا ہے اور پورے قرآن کی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں اور اسے قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری پہلو کا نام دیا گیا ہے۔ ہر ایک گروپ ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

پھر قرآن مجید کے مجموعی نظام کا مخفی پہلو بیان کیا گیا ہے۔ ہر سورہ کا ایک خاص عمود' مرکزی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پھر آیات کی تشریح میں عنوان بنا کر تشریح کی گئی ہے۔ لغوی بحثیں عمدہ طریقے پر کی گئی ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مفسر کو عربی زبان پر کتنا عبور حاصل تھا۔ اس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں: "الفاظ و اسباب کی تحقیق اور نحوی مشکلات میں بھی براہ راست اصل عربی زبان سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ مجرد اھل تاویل کے اقوال پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح آیات کی تاویل و توجیہ میں بھی قرآن کی زبان' کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو پوری طرح اہمیت دی گئی ہے۔" (۳) اس تفسیر کی ایک خاص اور منفرد چیز اس کا عقلی استدلال ہے۔ دوسری تفسیروں کے حوالے اس میں بہت کم ہیں۔ مولانا خود لکھتے ہیں: "قرآن کی منطق اور اس کی حکمت کی بنیادیں بھی اس میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس کا عقلی استدلال اور اس کی حجت دلنشین انداز میں سامنے آئے اور متکلمین کے فرسودہ انداز استدلال اور قرآن کے فطری طرز استدلال میں جو فرق ہے وہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔" (۴) سنت و حدیث کو ثانوی ماخذ کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ ان کو تفسیر کے داخلی وسائل میں شامل نہیں کیا گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں اس کی جو اہمیت ہے وہ اسے نہیں دی گئی۔ آثار صحابہ و اقوال تابعین پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ قدیم آسمانی صحیفوں کے حوالے کافی دیئے گئے ہیں بلکہ کئی جگہوں پر تو احادیث بھی حوالے کے طور نقل کی جا سکتی تھیں لیکن اس جگہ قدیم آسمانی صحیفوں کے مثلاً" تورات' زبور' انجیل کے حوالے ملتے ہیں۔ اکثر معاملات میں مولانا دوسرے مفسرین سے اختلاف کرتے ہیں اور ان سے الگ نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر کا انداز داعیانہ ہے اور انہوں نے دعوت دین کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کی ہے اور اس معاملہ میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ عنوانات کی فہرست ہر جلد کے آخر میں ترتیب کے ساتھ دی گئی ہے جو اس تفسیر کی خوبیوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔

تدبر قرآن کی خصوصیات

علمی خصوصیات

تدبر قرآن علمی خصوصیات کی حامل تفسیر ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اور انفرادیت عقلی استدلال ہے۔

ا۔ عقلی استدلال

تفسیر میں عقلی استدلال سے بہت کام لیا گیا ہے اور بات کو پر زور طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عقلی استدلال کے لئے مدلل طریقہ اختیار کیا گیا ہے مثلاً" مولانا نے تدبر قرآن میں روزے کا اثر انسان کی صلاحیت کار پر' کے عنوان سے بھرپور عقلی استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "اس زمانے میں جو لوگ مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفہ زندگی سے متاثر ہیں وہ روزے کے خلاف یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اس سے انسان کی صلاحیت کار اور اس کی قوت کارکردگی بہت کم ہو جاتی ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کو نقصان پہنچتا ہے ہمارے نزدیک یہ اعتراض کرنے والے دو بنیادی حقیقتیں نظر انداز کر دیتے ہیں ایک تو یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں انسان کی قدر و قیمت نہیں ان کے نزدیک جس طرح ایک قریہ بیل زیادہ ہل چلا سکتا ہے اس طرح ایک آسودہ اور پیٹ بھرا آدمی زیادہ کام کر سکتا ہے۔ یہ لوگ سیدنا مسیح کی ان کلمات سے ناآشنا ہیں کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اس حقیقت سے بالکل بے بہرہ ہیں جس کی طرف ہمارے نبی کریمؐ نے اشارہ فرمایا۔"انی بیت لی مطعم یطعمنی وساق لیسقینی" یہ کہ ایک کھلانے والا مجھ کو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھ کو پلاتا ہے۔ انسان اگر صرف گوشت پوست کا مجموعہ ہے تب تو بلاشبہ ان معترضین کے اعتراضات کے اندر کچھ وزن ہے لیکن اگر انسان کے اندر روح کوئی شے ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی تازگی اور توانائی کے لیے بھی کوئی غذا اور تدبیر ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو کیا یہی مکھن دودھ جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے اس کے لیے بھی کافی ہے یا اس کے لیے کسی اور تدبیر اور غذا کی ضرورت ہے مذہب اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ انسان کے اندر روح کا جوہر ارضی نہیں بلکہ آسمانی اور خدائی ہے اس وجہ سے اس کی غذا اس سرزمین سے نہیں بلکہ خدا کے تعلق اور توسل اور اس کے کلام و الہام سے ہوتی ہے اور اس کا تعلق خدا سے قریب تر اور قوی تر اس وقت ہوتا ہے جب روح جسم کے تقاضوں اس کی خواہشات اور اس کے جذبات و میلانات سے فی الجملہ آزاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ انہی سفلی پابندیوں میں گرفتار رہتی ہے۔ اس وقت تک یہ ان بلندیوں میں پرواز نہیں کر سکتی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کی اصلی جولانگاہ ہیں اور جن میں پرواز کرنے سے اس کے وہ شاہینی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو اس کی فطرت میں ودیعت ہیں۔(۵)

اس طویل اقتباس سے ظاہر ہے کہ عقلی استدلال کس قدر مدلل انداز میں کیا گیا ہے۔ عام فہم سادہ انداز میں بات کی گئی ہے۔ عام آدمی بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اس بارے میں خود مولانا کا کہنا ہے۔ میرا مقصد ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث و لگاؤ سے' ہر قسم کے تعصب و تحزب سے آزاد اور پاک ہو کر ہر آیت کا وہ مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور اس آیت سے نکلتا ہے۔

ان کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے بیرونی لوث و لگاؤ اور تعصب سے پاک ہو کر تفسیر لکھی اور اس تفسیر کا دار و مدار عقل پر رکھا۔ خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں انہوں نے عقلی انداز میں استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں: قرآن نے عورت کے لیے کھیتی کے استعارہ میں ساری باتیں جمع کر دی ہیں اور اس استعارہ نے ان لوگوں کے نظریہ کی تو جڑ ہی کاٹ دی ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کی سکیمیں چلاتے ہیں۔ اس لیے کہ کھیتی سے متعلق یہ رہنمائی تو معقول قرار دی جاسکتی ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ اچھی پیداوار کس طرح حاصل کی جائے لیکن یہ بات بالکل غیر منطقی ہے کہ لوگوں کو اس بات کے سبق پڑھائے جائیں کہ وہ بیج تو زیادہ سے زیادہ ڈالیں مگر فصل کم سے کم حاصل کریں۔ اس قسم کی نامعقول منطق صرف نادانوں کو سوجھ سکتی ہے۔ "وقدموا لانفسکم" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین کی کھیتی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے تم اپنے مستقبل کی معاش کا انتظام کرو۔ اسی طرح عورت کی کھیتی کی اصل غایت یہ ہے کہ اسے تم نسل انسانی کے مستقبل میں اپنی جگہ محفوظ اور اس کے قیام و بقا میں اپنا حصہ ادا کرسکو۔ "فاتوا حرثکم انی شئتم" کے بعد ان الفاظ کے اضافے نے یہ حقیقت نہایت واضح الفاظ میں سامنے رکھ دی کہ عورت سے مواصلت اصل غایت بقائے نسل ہے' لذت اس کا ضمنی فائدہ ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ طریقہ جو اس مقصد کو ضائع کرنے والا یا اس کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ اگر چہ لذت کے تقاضے اس سے پورے ہو جاتے ہیں۔ فاطر کی بنائی ہوئی فطرت اور اس کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے۔ (۲)

اس اقتباس سے مولانا نے لفظ کی لغوی تحقیق کرکے اس پر دلائل سے نتیجہ اخذ کیا۔

تفسیر کی بڑی خصوصیت تدبر ہے اور تدبر عقل و بصیرت کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ اوپر کی ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا نے واقعی تدبر کرکے عقلی استدلال کو پرزور اور بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس تفسیر کو عقلی انداز کی اچھی تفسیروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ لغوی تحقیق:

مولانا امین اصلاحی کی ایک اور تفسیری انفرادیت ان کا لغوی استدلال ہے اس لیے انہوں نے ترجمہ تفسیروں یا لغت کی کتابوں سے مدد نہیں لی ہے بلکہ بہت محنت سے عربی زبان کا ذوق پیدا کیا ہے

اور خود ان کے بقول کہ کسی زبان کا ذوق پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے فطری رجحان، طبیعت اور لطافت ذوق کے ساتھ ساتھ اس زبان کی مشق و ممارست ناگزیر ہے اور برسوں کی محنت کے بعد کہیں آدمی میں کسی زبان کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ یہ اپنی مادری زبان نہ ہو تو مشکل دو چند اور سہ چند ہوجاتی ہے۔ میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے میں نے اس تفسیر کے لیے قلم اٹھانے سے پہلے ادب جاہلی کے تمام ذخیرے کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے جو مجھے دستیاب ہو سکا ہے اور جو قرآن کی ادبی و لغوی مشکل حل کرنے میں کسی پہلو سے مددگار ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ سورت البقرہ کی پہلی آیات کی تفسیریوں کرتے ہیں۔ " الکتٰب " کا لفظ قرآن مجید میں پانچ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱) نوشتہ تقدیر: مثلاً

"لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ"

اگر نوشتہ الٰہی گزر نہ چکا ہوتا تو جس چیز میں تم مبتلا ہوئے اس کے باعث تمہیں دردناک عذاب آ پکڑتا۔ (۷)

۲) اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں اللہ تعالیٰ کا ریکارڈ ہے۔ مثلاً"

"وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيظٌ"

اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو محفوظ کرنے والی ہے۔ (۸)

۳) خط اور پیغام: مثلاً" "إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ" (۹)

۴) احکام و قوانین: مثلاً"

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"

اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۱۰)

۵) مجموعہ اور اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام: مثلاً" فرمایا

"أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ"

ذرا دیکھو ان کو جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا ان کو دعوت دی جا رہی ہے اللہ کی کتاب کی طرف سے تاکہ اس کے درمیان فیصلہ کرے۔ (۱۱)

جس طرح کوئی لفظ اپنے مختلف معنی میں سے کسی ایک اعلیٰ و برتر معنی کے لیے خاص ہوتا ہے اسی طرح یہ کتاب کا لفظ خاص طور پر کتاب الٰہی کے لیے بولا جانے لگا۔ چنانچہ یہ استعمال قدیم زمانے سے معروف ہے۔ یہود انبیاء کے صحیفوں میں سے ہر صحیفہ کو "سفر" کہتے ہیں جس کے معنی کتاب کے

ہیں۔ (۱۲)

اس طرح ایک مثال لفظ "حبل" کی تشریح میں بھی مولانا نے بیان کی ہے۔ سورہ آل عمران میں "واعتصموا بحبل اللہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حبل کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کرکے یہ لفظ تعلق اور ربط کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے:

و لکنی و فصلت الحبل منه

مواصلة بحبل ابی بیان

(لیکن میں نے اس سے پہلے اپنا تعلق توڑ رکھا ہے ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر) پھر یہ لفظ مزید ترقی کرکے معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لئے کہ جس طرح رسی دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ جو قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

الا بحبل من اللّٰہ حبل من الناس

مگر اللہ اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت

زیر بحث آیت میں حبل سے مراد قرآن ہے۔ اس لئے کہ یہی ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے خدا کو مضبوطی سے پکڑنا ظاہر ہے کہ اپنے ظاہری مفہوم میں نہیں ہے اس لئے خدا چھونے اور پکڑنے کی چیز نہیں اس کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہے گویا اوپر والی آیت میں **و من یعتصم باللّٰہ** کے الفاظ آئے تھے۔ **واعتصموا بحبل اللّٰہ** سے اس کی وضاحت فرما دی۔

سلف میں قتادہؒ، سدیؒ، عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ کی رائے یہی ہے ابن جریر نے ابو سعید خدری کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ

کتاب اللّٰہ هو حبل اللّٰہ الممدود من السماء الی الارض

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔

گویا یہی چیز ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے جس نے اس کو تھام لیا گویا خدا کو تھام لیا۔ سلف میں سے جو لوگ حبل اللّٰہ کی تعبیر "عہد اللہ" کرتے ہیں وہ بھی در حقیقت حبل اللہ سے قرآن ہی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے اور رب کے درمیان معاہدہ کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو میثاق اور عہد سے اسی بنا پر تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱۳)

یہاں بھی مولانا نے لغوی تحقیق کی بنا پر سلف سے اختلاف کیا ہے اور حبل اللہ سے مراد عہد اللہ

کی بجائے قرآن ہی کو لیا ہے اور لغوی تحقیق کی بنا پر ایک منفرد تفسیر ہے۔ بجائے اس کے کہ مولانا سلف کے نقطہ نگاہ کو بیان کرتے ہوئے اپنی رائے کو پیش کریں۔ وہ لغوی تحقیق کے ذریعے الفاظ کی تراکیب کو بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات کئی موقعوں پر وہ موضوع سے ہٹ کر گہرائی میں چلے جاتے ہیں اور محض لغوی تحقیق کی بنا پر وہ اپنا ایک الگ نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

علمی خصوصیات کے لحاظ سے یہ ایک منفرد تفسیر ہے۔ لیکن اگر صرف علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو چونکہ یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ قرآن پاک کی تفسیر ہے اس لئے اس معاملے میں محض عقلی استدلال یا لغوی تحقیق کی بنا پر سلف سے بالکل ایک الگ نظریہ پیش کرنا ٹھیک نہیں۔ عقلی استدلال اس حد تک تو قابل تحسین ہے جہاں قرآن و حدیث کے حکم کے متعارض نہ ہو لیکن جہاں تعارض واضح ہو وہاں عقلی استدلال سے کام لینا جائز نہیں ہے۔

ادبی خصوصیات

ا۔ زور بیان

تفسیر تدبر قرآن میں ادبی خصوصیات کے ضمن میں ایک چیز جو بہت نمایاں نظر آتی ہے' وہ تفسیر کا زور بیان ہے۔ مولانا نے بھرپور انداز میں جس بات کو بھی بیان کیا ہے' پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مربوط انداز بیان' عقلی استدلال' عام فہم انداز بیان ایسی باتیں ہیں کہ قاری مسحور ہو جاتا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو' سورہ بقرہ' ۱۴۸ میں "قبلہ" کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"قبلہ" کے متعلق یہ بات کہ وہ فلاح و سعادت کے حصول کے لئے ایک انسان اور علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ محض کوئی استعارہ نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے اس عظیم تاریخ کو حافظہ میں از سر نو تازہ کیجئے جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر نقش ہے۔ جس کو قبلہ قرار دیا گیا' یہ گھر وہ گھر ہے جس کی تعمیر ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے کی' یہ وہ گھر ہے جو اس دنیا کے بت کدے میں خدائے واحد کی عبادت کا اولین مرکز ہے' اسی گھر کے پہلو میں مروہ پہاڑی ہے جس کے دامن میں چشم فلک نے رضائے الٰہی کے لئے بوڑھے باپ کو محبوب اور اکلوتے فرزند کی گردن پر چھری چلاتے اور اسلام کی حقیقت کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ یہی گھر ہے جس کے ارد گرد چٹیل میدانوں کو قدرت نے اس امت مسلمہ کے لئے منتخب فرمایا۔ جس کے ذریعے دنیا کی تمام قوموں میں خدا کی رحمت تقسیم ہونے والی تھی۔ یہی گھر ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر برابر تمام قدسیوں کا غلبہ رہا ہے اور جس میں طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کی سعادت اتنے انسانوں نے حاصل کی ہے کہ جس طرح زمین کے ذروں اور آسمانوں کے ستاروں کا شمار نا ممکن ہے اسی طرح ان نفوس قدسیہ کا شمار بھی ناممکن ہے۔ اسی کے قرب میں وہ

میدان ہے جس کی ریت کا ایک ایک ذرہ توبہ استغفار کے سجدوں کا گواہ اور خوف خدا سے رونے والوں کے آنسوؤں کا امین ہے۔ اسی گھر کے ایک کونے میں وہ مقدس پتھر ہے جس کو خدا کے داہنے ہاتھ سے تشبیہہ دی گئی ہے اور جس کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیکر لاکھوں آدمی بلکہ کڑوروں انبیاء صلحاء صدیقین نے اپنے رب سے عہد بندگی و وفاداری استوار کیا ہے۔ اسی کے پاس وہ جمرات ہیں جو اس گھر کے دشمنوں کی ذلت و پامالی کی یادگاریں ہیں اور جن پر سنگ باری کر کے اہل ایمان اپنے اندر برابر اعدائے دین کے خلاف جہاد کی روح تازہ کرتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی گھر کے سایہ میں خدا کے آخری نبی محمد ﷺ نے پرورش پائی۔ جن کے لائے ہوئے نور اور جن کی بخشی ہوئی ضیاء نے تمام دنیا میں اجالا کر دیا۔

ایک ایسی عظیم روایات کے امین گھر کو قبلہ بنانے کے معانی یقیناً" یہ ہیں کہ اس کو ایک نشان قرار دیکر ان روحانی خزانوں کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے جو ابراہیمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک اس گھر کو ودیعت ہوئے یا دوسرے لفظوں میں اس کو ایک "پاور ہاؤس" سمجھ لیں۔ جس سے پوری زندگی حرارت' روشنی اور قوت حاصل کرتی ہے جن لوگوں پر قبلہ کی عظمت و اہمیت کا یہ پہلو واضح نہیں ہے۔ وہ اکثر اس امر میں حیران ہوتے ہیں کہ اینٹ اور پتھر کے بنے ہوئے اس مکان میں کیا ہے؟ انہیں معلوم نہیں کہ قبلہ مرکز ہے' قلب ہے۔ جس طرح قلب کے بغیر جسم کا وجود نہیں۔ اسی طرح قبلہ کے بغیر ملت کا کوئی تصور نہیں۔ (۱۴)

اوپر کے پیرا گراف سے تدبر قرآن کی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے' بات کو خوبصورتی کیساتھ مدلل انداز میں سمجھایا جاتا ہے' ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے مربوط انداز پایا جاتا ہے اور فضول بحثیں بھی نہیں پائی جاتیں۔

تشبیہ و استعارہ

کسی بات میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے تشبیہہ و استعارہ بالکل ایسی ہی اہمیت کا حامل ہے جیسے سالن میں نمک' اس کے بغیر سالن بد مزہ اور پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کلام میں خوبصورتی کے لئے ضروری ہے کہ تشبیہہ و استعارہ کا استعمال کیا جائے۔ تدبر قرآن میں یہ خوبی موجود ہے کہ جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ وہاں اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو۔

سورہ اعراف ۱۴۳ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ "اس مقام سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جن جوگیوں اور صوفیوں نے مشاہدہ ذات الٰہی کو معرفت کا درجہ کمال قرار دیا ہے اور اس کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ انہوں نے اپنا گول اپنی رسائی کی حدود سے بہت آگے بڑھ کر باندھا ہے اور اس کا حاصل خیرگی اور تحیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ مگس شہباز کے شکار کو نکلے (۱۵)

مولانا اصلاحی نے تدبر قرآن میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ وہ عام فہم ہیں اور ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور ان میں ادب کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے تدبر قرآن ایک ادبی شاہکار ہے۔

مثال کے طور پر' سورہ بقرہ ۱۸۶ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ "اس آیت پر اگر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اس میں شروع سے لے کر آخر تک اس کائنات کے متقابل بلکہ متضاد اجزاء و عناصر کا حوالہ دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے اس حیرت انگیز اتحاد و توافق اور ان کی اس بے مثال ہم آہنگی و ساز گاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انکے اندر اس کائنات کی مجموعی خدمت کے لئے پائی جاتی ہیں۔ آسمان کے ساتھ زمین' رات کے ساتھ دن' کشتی کے ساتھ دریا' بظاہر دیکھئے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ضدین کی نسبت رکھتے ہیں تو دوسری طرف اس کائنات کی خانہ آبادی کے نقطہ نگاہ سے آپس میں زوجین کا سا ربط و اتصال رکھتے ہیں۔ یہ آسمان اور اس کے چمکتے ہوئے سورج اور چاند نہ ہوں تو ہماری زمین کی ساری رونقیں اور بہاریں ختم ہو جائیں بلکہ اس کی ہستی ہی نابود ہو جائے۔ اسی طرح یہ زمین نہ ہو تو کون بتا سکتا ہے کہ اس فضائے لا متناہی کے بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے کس کس کا گھر اجڑ کے رہ جائے۔ علی ھذا القیاس ہماری اور ہماری طرح اس دنیا کے تمام جانداروں کی زندگی جس طرح دن کی حرارت' تمازت روشنی اور نشاط انگیزی کی محتاج ہے اور یہ دونوں ملکر اس گھر کو آباد کئے ہوئے ہیں اسی طرح سمندر کو دیکھئے کہ اس کا پھیلاؤ کتنا ہو شربا اور ناپید کنار ہے اور اس کی موجیں کتنی مہیب اور ہولناک ہیں لیکن دیکھیے اس سرکشی و طغیانی کے باوجود کس طرح اس کے عین اپنے سر پر سے ہماری کشتیاں اور ہمارے جہاز دن رات دوڑ رہے ہیں اور تجارت و معیشت' تمدن و معاشرت اور علوم و فنون ہر چیز میں مشرق اور مغرب کے ڈانڈے ملائے ہوئے ہیں۔

(۱۶)

شعری وسائل

انداز بیان کو خوبصورت بنانے کے لئے شعری وسائل سے بھی مدد لی گئی ہے جو اس تفسیر کی ادبی خصوصیت میں سے ہے۔ اگرچہ اس کا جا بجا استعمال نہیں کیا گیا تاہم بہت سے جگہوں پر شعروں کا استعمال کیا گیا ہے ان میں فارسی و اردو دونوں طرح کے شعر شامل ہیں۔ مثلاً" سورہ انعام ۷۶ سے ۷۹ تک کی تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "...سورج' چاند' ستارے ان سب کے متعلق توجہ دلائی کہ ان کا چمکنا ہی کیوں دیکھتے ہو ڈوب جانا کیوں نہیں دیکھتے۔ طلوع کے ساتھ غروب اور آنے کے بعد جانے کو کیوں نہیں دیکھتے اور اس پابندی اور محکومی کے ساتھ مجال نہیں ہے کہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی وقت یا سمت میں ماہیت اور شکل میں سرمو تغیر ہو جائے تو گویا وہ خود زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہم

آئے نہیں لائے گئے ہیں اور جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے ہیں۔

لائی حیات' آئے قضا لے چلی' چلے
اپنی خوشی سے آئے' نہ اپنی خوشی چلے (۱۷)

امتیازی خصوصیات

نظم قرآن

تدبر قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دوسری تفاسیر سے ممتاز کرتی ہے وہ نظم قرآن ہے۔ تفسیر میں نظم قرآن کے موضوع کو شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر کا خلاصہ پڑھتے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں نظم قرآن کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ نظم قرآن کو تفسیر کے بنیادی وسائل میں رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس طرز پر تفسیر لکھنے کا آغاز مولانا اصلاحی کے استاذ مولانا حمید الدین فراہی نے کیا تھا مگر وہ اپنی زندگی میں صرف چند سورتوں کی تفسیر ہی کر پائے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد اس کام کو مولانا اصلاحی نے سرانجام دیا ہے۔

تدبر قرآن کے مقدمہ میں مولانا لکھتے ہیں۔ "اصل ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگوں کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی جو قرآن کے نظم کو اس طرح سے واضح کر دیتی کہ ہر صاف ذہن قاری کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی لیکن اس طرح کی کوئی چیز نہ صرف یہ کہ لوگوں کے سامنے نہیں آئی بلکہ جو چیزیں آئیں مایوس کن ثابت ہوئیں۔ (۱۸)

مولانا نے قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی بیان کیا ہے۔ پھر قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی جو مولانا نے مقدمہ میں بیان کیا ہے' ہر سورت ایک مستقل وحدت ہے۔ اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع ہے۔ ہر سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک خاص نظام ہے جس کا ایک پہلو تو بالکل ظاہر ہے جو ہر شخص جانتا ہے لیکن ایک پہلو مخفی بھی ہے جو صرف تدبر سے ہی سامنے آتا ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو

مکی و مدنی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے۔ ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ سورتوں کی یہ ترتیب توقیفی ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کا مخفی پہلو

جس طرح ہر سورہ کا ایک خاص عمود ہے اسی طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عمود ہے۔ ہر

گروپ کی مدنی سورتوں کو اپنے گروپ کی مکی سورتوں سے وہی مناسبت ہے جو مناسبت کسی درخت کو جڑ اور اس کی شاخوں میں ہوتی ہے۔ ہر سورہ اپنا ایک جوڑا اور ثنیٰ رکھتی ہے۔ صرف سورہ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ہر گروپ پر تدبر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہرایک کے اندر اسلامی دعوت کے تمام ادوار ابتداء سے انتہا تک نمایاں ہوئے ہیں۔ قرآن پاک کی سورتوں کے سات گروپ کر دینے کے لئے دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ۔ (۱۹)

داعیانہ انداز

تدبر قرآن کا انداز داعیانہ ہے۔ یہ پڑھنے والوں کو دعوت دین دیتی ہے اور دوسروں کو بھی تدبر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ بھی غور و فکر سے کام لیں۔ مولانا اصلاحی نے اپنی کتاب "مبادی تدبر قرآن" اور تفسیر کے مقدمہ میں تدبر کے اصول بیان کئے ہیں اور عام لوگوں کو بھی تدبر کی دعوت دی ہے۔ قرآن پڑھنے والوں کو مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں

۱۔ قرآن کو ایک برتر کلام مانا جائے۔ ۲۔ قرآن کے تقاضوں کے مطابق خود بدلنے کا عزم ہو۔
۳۔ تدبر تیسری شرط ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کی دعا مانگنی چاہیے۔

مولانا داعیانہ تفسیر میں داعیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "یہ حضرت نوحؑ کی دعوت کا نقطہ آغاز ہے ... بعینہٖ اسی نقطہ سے نبی ﷺ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ آگے بڑھے تو معلوم ہو گا کہ جس قسم کا معارضہ قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کیا۔ اسی قسم کا معارضہ نبی ﷺ کی قوم نے آپؐ کے ساتھ کیا۔ حالات و واقعات کی یہ مطابقت ہی ہے کہ جس کو دکھانے کے لئے یہ سرگزشتیں سنائی جا رہی ہیں کہ نبیؐ اور اس کی قوم دونوں کے سامنے ماضی کے آئینے میں ان کے حاضر اور مستقبل کا پورا نقشہ آ جائے۔ تاریخ کی جو قدر و قیمت ہے وہ اسی پہلو سے ہے کہ اگر یہ پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو تاریخ کی حیثیت مجرد داستان سرائی کی سی رہ جاتی ہے۔ (۲۰)

حوالہ جات

۱۔ الحجر' ۸۷
۲۔ تدبر' ۷
۳۔ تدبر' ۸ / ۸
۴۔ تدبر' ۸ / ۱۰
۵۔ تدبر ۱ / ۴۱۶
۶۔ تدبر' ۱ / ۸۶
۷۔ انفال' ۶۸
۸۔ ق' ۴
۹۔ النمل ۲۹
۱۰۔ الجمعہ ۲۰
۱۱۔ آل عمران ۲۲
۱۲۔ ۱ / ۴۲
۱۳۔ تدبر' ۱ / ۷۵۵
۱۴۔ تدبر ۱ / ۳۲۹' ۳۳۰
۱۵۔ تدبر' ۱ / ۷۳۸
۱۶۔ تدبر قرآن ۱ / ۱۸۴
۱۷۔ تدبر قرآن' ۲ / ۷۳۷
۱۸۔ تدبر قرآن' مقدمہ
۱۹۔ الحجر' ۸۷
۲۰۔ تدبر قرآن ۳ / ۳۸۴

فرزند قرآن

استاد مطہریؒ

ثاقب اکبر

استاد شہید مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ علیہ کو اگر " فرزند قرآن " قرار دیا جائے تو وہ بجا طور پر اس کا حق رکھتے ہیں۔ عصر حاضر میں جس انداز سے انہوں نے مطالب قرآنی کو بیان کیا ہے اس سے اسلام و قرآن کی روح اپنی حقیقی رعنائیوں کے ساتھ سامنے آئی ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے فکر و نظر کے تازہ دریچے وا کیے ہیں۔ انہوں نے یہ ادعا ہی نہیں کیا کہ قرآن بے پایاں استعداد کا حامل ہے اور وقت جوں جوں آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اس کی نئی جہتیں اور نئے مطالب آشکار ہوتے چلے جا رہے ہیں ' بلکہ اپنے قول و عمل سے اسے ثابت بھی کیا ہے۔ وہ جس وادی میں بھی گئے ہیں یوں لگتا ہے عرفان قرآں کے زیر پرتو پورے اعتماد اور روشن دلی سے آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ فرد اور معاشرے کے انحراف و ضلالت کے ہر درد کی دوا وہ قرآن سے تلاش کر کے لاتے ہیں۔ کفر و الحاد کے ہر وار کا مقابلہ وہ شمشیر قرآنی سے کرتے ہیں اور کامیابی ہر مقام پر ان کے قدم چومتی ہے۔ وہ قرآنی آیات کی نت نئی جہات سے آشنا کرتے رہتے ہیں۔ فلسفی افکار ہوں یا عمرانی آراء ' اخلاقی موضوعات ہوں یا عقیدتی ابحاث ' سائیکالوجی کا مسئلہ ہو یا فطرت شناسی ' نظام اقتصاد کا عنوان ہو یا نظام سیاسی کا قضیہ وہ ہر کہیں نور قرآنی کی ضیاپاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں یہاں تک کہ قاری بعض اوقات چونک اٹھتا ہے کہ روز مرہ تلاوت کی جانے والی آیات کے اس واضح پہلو پر تو میری نظر ہی نہیں پڑی ' جس سے استاد مطہری دلیل لائے ہیں۔ فلسفہ تاریخ کی بحث میں بھی وہ قرآنی آیات سے اسی روانی سے

استفادہ کرتے ہیں جس سادگی سے فلسفہ اخلاق کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے۔

ہاں! اس خوبصورت حقیقت کا راز جاننے کی ضرورت ہے، جو یقیناً قرآن حکیم سے ان کی عملی وابستگی، مطالعے اور غور و فکر سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں ان کا عقیدہ، قرآن کے حوالے سے ان کے اساتیذ، قرآن کے فہم اور پیغام کے حوالے سے ان کا نظریہ اور پھر قرآن کے بارے میں ان کے ذوق کی نوعیت وغیرہ، ہر چیز اس کے پس منظر میں اپنا ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

تلاوت قرآن

قرآن حکیم کی تلاوت کے حوالے سے آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای، جو استاد مطہری کے رفیق و ہمراز تھے، کہتے ہیں:

> .... وہ سب سے زیادہ قرآن سے مانوس تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہر رات جب تک کچھ مقدار قرآن کی تلاوت نہ کر لیتے، نہیں سوتے تھے کیونکہ میں نے اکثر دوران سفر مشہد یا تہران ان کے ساتھ اکٹھے راتیں بسر کی ہیں، اس دوران میں، میں نے یہی دیکھا۔ (۱)

راقم نے کسی اور مقام پر پڑھا ہے کہ وہ ہر شب باقاعدگی سے، سونے سے پہلے تقریباً بیس منٹ تلاوت کیا کرتے تھے۔

کیسی تلاوت؟

وہ کس طرح کی تلاوت کے قائل تھے؟ اس کے لیے ہم نے انہی کے الفاظ کا انتخاب کیا ہے:

> گروہی می پندارند منظور از تلاوت قرآن، تنہا خواندن قرآن بقصد ثواب بردن است بدون آنکہ چیزی از معانی آن درک گردد، اینہا دائما قرآن را دورہ می کنند اما اگر یکبار از ایشان سوال شود کہ آیا معنی آنچہ را میخوانید میدانید، از پاسخ گوئی عاجز میمانند۔ خواندن قرآن از این جہت کہ مقدمہ ایست برای درک معانی قرآن لازم و خو بست و نہ صرفاً بقصد کسب ثواب۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تلاوت قرآن سے مراد فقط ثواب کی نیت سے قرآن پڑھنا ہے بغیر اس کے کہ اس کے معانی کی کچھ سمجھ آئے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کو دہراتے رہتے ہیں۔ کبھی اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ جو کچھ تم پڑھتے ہو کیا اس کا مطلب بھی جانتے ہو تو یہ کچھ جواب دینے سے قاصر

ہوتے ہیں۔ قرآن اس لحاظ سے پڑھنا اچھا اور ضروری ہے کہ یہ معانی سمجھنے کے لیے مقدمہ ہے، نہ کہ صرف حصول ثواب کی نیت سے۔

اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ قرآن اور دیگر کتب کے مطالعے میں کیا فرق ہے اور قرآن کو کس نیت سے پڑھنا چاہیے، وہ مزید کہتے ہیں:

درک معانی قرآن نیز ویژ گیهایی دارد که باید به آنتوجه داشت۔ در یاد گیری بسیاری از کتابها، آنچه که برای خواننده حاصل میشود یک سلسله اندیشه ء های تازه است که قبلاً در ذہن او وجود نداشت۔ در اینجا تنها عقل و قوه تفکر خواننده است که به فعالیت مشغول میشود۔ در مورد قرآن بدون شک باید آنرا بقصد آموختن و تعلیم یافتن مورد مطالعه قرار داد۔ قرآن خود در این زمینه تصریح میکند (۲)

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳)

مطالب قرآنی کے سمجھنے کے لیے کچھ خصوصیات ایسی ہیں کہ جن کی طرف توجہ رہنی چاہیے۔ بہت سی کتابیں ایسی ہوتی ہیں کہ قاری انہیں پڑھتا ہے تو اسے بعض ایسے افکار حاصل ہوتے ہیں جو پہلے اس کے ذہن میں نہ تھے۔ اس صورت میں قاری کی فقط عقل اور قوت فکر مشغول کار ہوتی ہے۔ قرآن کو بلاشبہ سیکھنے اور تعلیم پانے کے لیے پڑھنا چاہیے۔ قرآن اس سلسلے میں بالصراحت کہتا ہے:

ہم نے جو یہ تیری طرف کتاب نازل کی ہے، برکت والی ہے تاکہ تم لوگ اس کی آیات میں غور کرو اور تاکہ صاحبان عقل و بینش اس سے راہنمائی اور تذکر حاصل کریں۔

ترتیل سے مراد

تلاوت قرآن ہی کے ضمن میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ قرآن حکیم کو کس انداز سے پڑھا جائے۔ اس سلسلے میں ویسے تو استاد مطہری نے مختلف مقامات پر مختلف پہلوؤں سے بات کی ہے، قرآن کریم کی خاص موسیقیت اور ترنم (۴) کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے اور قرآن کے اس امتیاز کو اس کا ایک معجزانہ پہلو قرار دیا ہے، تاہم قرآن حکیم کی آیت " ورتل القرآن ترتیلا " کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انہوں نے ترتیل کا مفہوم یہ بیان کیا ہے:

ترتیل یعنی قرائت قرآن نه آنقدر تند که کلمات مفهوم نشوند و نه آنقدر جدا از هم که رابطه ها از بین برود۔ میگوید قرآن را باتانی و در حالیکه به محتوای آیات توجه داری بخوان (۵)

ترتیل یعنی قرآن کی قرائت نہ اس قدر تیز رفتاری سے کی جائے کہ کلمات کی کچھ سمجھ ہی نہ آئے اور نہ اس طرح توڑ توڑ کر کہ ان کے درمیان رابطہ ہی ختم ہو جائے۔ (قرآن) کہتا ہے کہ قرآن کو اس پیرائے اور اس حال میں پڑھو کہ مفہوم آیات پر تمہاری توجہ ہو۔

اساتیذ

ویسے تو جناب مطہری نے اپنے متعدد اساتذہ کا بہت عقیدت و احترام سے ذکر کیا ہے تاہم امام خمینی اور علامہ طباطبائی کا اثر ان کی زندگی اور فکر و نظر پر بہت گہرا ہے۔ ان میں سے تفسیر کے حوالے سے خاص طور پر انہوں نے علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ ان کے پاک دل اور تخلیقی صلاحیتوں نے قرآن حکیم سے خود بھی بہت کچھ جذب اور اخذ کیا ہے لیکن وہ اسے بھی "تفسیر المیزان" کا رہین منت قرار دیتے ہیں۔ جناب حسین غفاری راوی ہیں:

ایک مرتبہ قم میں درس سے لوٹ کر استاد کے ساتھ تہران آئے۔ راستے بھر باتیں ہوتی رہیں۔ کبھی میں کچھ پوچھتا تھا، کبھی آپ کچھ کہہ دیتے تھے۔ اس وقت انہوں نے کتاب "معاشرہ اور تاریخ" نئی نئی لکھی تھی جو ابھی شائع نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مسودہ ہمارے پاس تھا۔ ان دنوں استاد نے قم میں ایک اور درس "معارف قرآن" کے نام سے شروع کیا تھا۔ اس میں معاشرے کے حوالے سے گفتگو جاری تھی۔ اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا:

میں نے یہ تمام مطالب آقا طباطبائی سے حاصل کیے ہیں۔ ویسے بھی اصولاً میں نے جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اس کا سرچشمہ علامہ طباطبائی کے افکار، خصوصاً تفسیر المیزان ہے۔ (۶)

یاد رہے کہ "المیزان" علامہ طباطبائی کی نوشتہ تفسیر قرآن ہے۔ انہوں نے اسے بیس جلدوں میں عربی زبان میں لکھا ہے۔ اس وقت تک دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بعض میں جاری ہے۔ یہی وہ تفسیر ہے جس کے بارے میں استاد مطہری کہتے ہیں:

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کے صدر اول سے لے کر آج تک شیعوں اور سنیوں میں سے کسی نے قرآن کی ایسی تفسیر نہیں لکھی۔

ذوق در تفسیر

قرآن کریم اور اس کی تفسیر سے استاد شہید کے عشق کا ذکر تو ہو چکا البتہ تفسیر میں ان کا ذوق کس قسم کا تھا، اس سلسلے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ اس کی مختلف جہتیں ہیں، جو مختلف زاویوں سے نظر ڈالنے سے واضح ہوتی ہیں تاہم مجموعی طور پر ان کے ذوق تفسیری کو فلسفی، عرفانی، جمالیاتی اور معاشرتی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حفاظت قرآن

استاد شہید مطہری علیہ الرحمہ کی نظر میں قرآن حکیم ہر قسم کی تحریف و تغیر سے محفوظ ہے۔ اس میں کوئی کمی ہوئی نہ بیشی ان کے نزدیک ہر کتاب کو ضرورت ہے کہ اس کے نسخوں کی چھان پھٹک کی جائے ' ان کا باہمی موازنہ کر کے دیکھا جائے اور درست و نادرست پر دلائل قائم کیے جائیں۔ لیکن قرآن ایسی ہر کوشش سے ماوراء اور بے نیاز ہے۔ قرآن کی تمام آیات کسی بھی احتمال تحریف سے قبل متواتر ہو چکی تھیں اور ان میں کسی تحریف کا احتمال ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ کہتے ہیں :

قرآن از نسخه و نسخه شناسی پیشی گرفته. جای کوچکترین تردیدی نیست که آورنده همه این آیات موجود حضرت محمد بن عبدالله ﷺ است که آنها را به عنوان معجزه و کلام الهی آورد' و احدی نمی تواند ادعا کند یا احتمال بدهد که نسخه دیگری از قرآن وجود داشته و یا دارد ' هیچ مستشرقی هم در دنیا پیدا نشده که قرآن شناسی را بخواهد از اینجا شروع کند که بگوید باید بسراغ نسخه های قدیمی و قدیمی ترین نسخه های قرآن برویم و ببینیم در آنها چه چیز های هست و چه چیز های نیست (۷)

قرآن نسخہ اور نسخہ شناسی سے آگے بڑھ گیا۔ معمولی ترین شک کی بھی گنجائش نہیں کہ موجود تمام آیات کے لانے والے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہیں ' جو انہیں معجزے اور کلام الٰہی کے طور پر لائے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ اس امکان کا اظہار کر سکتا ہے کہ قرآن کا کوئی اور نسخہ کبھی موجود تھا یا اس وقت ہے۔ کوئی ایسا مستشرق بھی دنیا میں پیدا نہیں ہوا جو قرآن شناسی یہاں سے شروع کرنا چاہے کہ کہے کہ قرآن کے قدیمی اور قدیمی ترین نسخوں کو تلاش کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ان میں کیا کچھ ہے اور کیا کچھ نہیں ہے۔

استاد مطہری کے نزدیک حفظ قرآن کے اہم دلائل یہ ہیں :

(۱) قرآن حکیم کی اس آیت :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۸)

میں قرآن کو کسی طرح کی بھی تحریف و تغیر اور ضیاع سے محفوظ رکھنے کا وعدہ جس قطعیت کے ساتھ کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (۹)

(۲) قرآن حکیم کو اسلام نے دیگر منابع و مصادر کی پرکھ کا معیار قرار دیا ہے لہٰذا اسے ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہونا چاہیے۔ (۱۰)

(۳) قرآن رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بنیادی ترین اور دائمی برہان کی حیثیت سے جاوداں

معجزہ ہے اور یہ امر قرآن کو دیگر انبیاء کے معجزات سے ممتاز کرتا ہے۔ (۱۱)

(۴) قرآن تیئس برس میں تدریجاً نازل ہوتا رہا اس لیے مسلمانوں کے لیے اسے یاد کرنا اور محفوظ رکھنا آسان تھا۔ (۱۲)

(۵) نزول قرآن کا دور اور وہ معاشرہ ایک سادہ اور بسیط معاشرہ تھا۔ کوئی اور کتاب ان مسلمانوں کے پاس موجود نہیں تھی کہ اسے بھی یاد کرنا ان کے لیے ضروری ہوتا۔ ایسے میں خالی ذہن اور قوی حافظے نے بھی کمک کی۔ یوں قرآن جلد یاد ہو جاتا اور یہ پس منظر حفظ قرآن کا بھی باعث بن گیا۔ (۱۳)

(۶) رسول اللہ ﷺ نے چند خاص افراد قرآن حکیم لکھنے کے لیے مامور کر رکھے تھے جو "کتاب وحی" (کاتبین وحی) کے نام سے مشہور تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو کسی اور قدیمی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ (۱۴)

(۷) فصاحت و بلاغت، ادب و فن اور جاذبیت کے لحاظ سے بھی قرآن اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اسی کے باعث مخاطبین اول جو اس کی زبان کی دل آویزی کو دل کی گہرائیوں سے جانتے تھے انہیں اس کی آیات بہت جلد یاد ہو جاتی تھیں۔ یہی خصوصیات کسی بھی متن میں قرآن کے خلط ہونے میں مانع تھیں۔ (۱۵)

(۸) مدینہ سے دور کے علاقوں میں اگر کسی سازش یا غلطی کا امکان ہو سکتا تھا تو مسلمانوں کی بیداری اور بروقت کاروائی سے اس امکان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے مرکز سے خصوصی تصدیق شدہ نسخے تیار کر کے تمام علاقوں میں بھجوا دیے جنہیں دیکھ کر باقی نسخے تیار کیے جاتے تھے۔ (۱۶)

(۹) قرآن کریم کے دائمی معجزہ ہونے اور محفوظ ہونے میں ختم نبوت کا راز بھی پنہاں ہے۔ (۱۷)

استاد شہید مطہری کے نزدیک قرآن حکیم میں کسی ایک کلمہ یا کسی ایک حرف کی بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ (۱۸)

قرآن معیار حق و باطل

قرآن حکیم نے خود اپنے آپ کو معیار حق و باطل قرار دیا ہے۔ قرآن جب راہ مستقیم کا ہادی، امام، حکمت آموز اور سرچشمہ ہدایت ہے تو "فرقان" ہونا اس کی ناگزیر صفت ہونا چاہیے۔ (۱۹)

استاد شہید نے دیگر مصادر کی درستی و عدم درستی کو پرکھنے کے لیے قرآن ہی کو منزل قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

استفادہ از ہر منبع دیگر موقوف بہ شناخت قبلی قرآن است۔ قرآن مقیاس و معیار ہمہ منابع دیگر است۔ ما حدیث و سنت را باید با معیار قرآن بسنجیم تا اگر با قرآن مطابق بود بپذیریم و اگر نہ

نپذیریم (۲۰)

ہر دوسرے مصدر سے استفادے کا دارو مدار اس پر ہے کہ پہلے قرآن کو پہچانا جائے۔ قرآن تمام دیگر منابع کے لیے میزان و معیار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ حدیث و سنت کو قرآن کے معیار پر پرکھیں تاکہ قرآن کے مطابق ہو تو قبول کرلیں اور نہ ہو تو قبول نہ کریں۔

دیگر منابع کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان سب کا انحصار قرآن کی تائید پر ہے اور ان کا صدور قرآن جیسی قطعیت نہیں رکھتا۔ وہ کہتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ و آئمه اطهار" می گفتند احادیث ما را بر قرآن عرضه بدارید اگر بر قرآن منطبق نبود ' بدانید که ساختگی و جعلی است و آنرا بر مابسته اند ' ما چیزی خلاف قرآن نمیگوئیم۔ (۲۱)

رسول اکرم ﷺ اور آئمہ اطہار" کہا کرتے تھے کہ ہماری احادیث قرآن پر پیش کرو اگر قرآن کے مطابق نہ ہوں تو جان لو کہ گھڑی ہوئی اور جعلی ہیں اور انہیں ہم پر باندھا گیا ہے۔ ہم قرآن کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔

قرآن شناسی کے چند پہلو

استاد مطہری نے قرآن شناسی کے لیے بعض اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ قرآن کی حقیقی اور بہتر معرفت کے لیے یہ امور بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم ان کے آثار میں سے چند ایک کا ذکر بطور انتخاب اور بصورت تلخیص کرتے ہیں:

عقل و دل سے خطاب

انہوں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن عقل و دل دونوں سے خطاب کرتا ہے ان کے بقول قرآن شناسی میں اس امر کو نظر انداز کر دیا جائے تو بہت نقصان کا باعث ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

یک وظیفه ء قرآن یاد دادن و تعلیم کردن است و در این جهت مخاطب قرآن عقل انسان خواهد بود و قرآن با زبان منطق و استدلال با او سخن میگوید۔ اما بجز این زبان ' قرآن زبان دیگری نیز دارد که مخاطب آن عقل نیست بلکه دل است و این زبان دوم "احساس" نام دارد۔ آنکه می خواهد باقر آن آشنا گردد و بدان انس بگیرد می باید با این دو زبان بر دو آشنائی داشته باشد و بر دو را در کنار هم مورد استفاده قرار دهد۔ تفکیک این دو از هم مایه بروز خطاء و اشتباه و سبب خسران و زیان خواهد بود (۲۲)

قرآن کی ایک ذمہ داری تعلیم دینا ہے۔ اس پہلو سے قرآن کی مخاطب عقل انسانی ہے اور قرآن اس

سے منطق و استدلال کے ساتھ بات کرتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ قرآن کی ایک زبان اور بھی ہے جس کی مخاطب عقل نہیں دل ہے۔ اس دوسری زبان کا نام احساس ہے۔ جو شخص قرآن سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ان دونوں زبانوں سے واقفیت حاصل کرنا ہو گی اسے چاہیے کہ دونوں سے اکٹھا استفادہ کرے۔ ان دونوں میں افتراق خطاء اور غلطی نیز نقصان اور زیان کا باعث ہو گا۔

عمرانیات اور قرآن

قرآن حکیم کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک عمرانیات کے حوالے سے اس کے پیش کردہ اصول اور پھر ان اصولوں کی بنیاد پر ایک عظیم معاشرے کی تعمیر ہے وہ معاشرہ جو خاص طرح کی فرد سازی اور انسان سازی کے ساتھ معرض وجود میں آیا۔ اس سلسلے میں استاد مطہری کہتے ہیں کہ فقط ایک مسلمان اور مومن ہی کو مومن ہونے کے ناتے اس کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ انسانی اور عمرانی علوم کے ماہرین کو بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیے چونکہ صدیوں پر محیط پسناور اسلامی تہذیب کی تخلیق میں قرآن نے انتہائی موثر کردار ادا کیا ہے۔ (۲۳)

قرآن کا خطاب کس سے ہے؟

قرآن مجید کی بعض آیات **مثلاً** "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" اور "هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" وغیرہ سے بعض کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن چونکہ متقین اور مومنین کے لیے ہدایت ہے اور انہی کو بشارت دیتا ہے لہذا دوسروں سے سروکار نہیں رکھتا۔ استاد مطہری نے اس سلسلے میں کئی جگھوں پر اجمالی اور تفصیلی گفتگو کی ہے اور مسئلے کو بہت نکھار کر بیان کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

.... در آیاتی کہ خطاب قرآن بہ ہمہ مردم عالم است ' در واقع می خواہد بگوید قرآن اختصاص بہ قوم و دستہ ء خاصی ندارد ' ہر کس بسمت قرآن بیاید نجات پیدا می کند ' و اما در آیاتی کہ از کتاب ہدایت بودن برای مومنین و متقین نام می برد ' میخواہد این نکتہ را روشن کند کہ در نہایت چہ کسانی رو بسوی قرآن خواہند آورد و چہ گروہہائی از آن دوری خواہند گزید ... (۲۴)

... جن آیات میں قرآن کا خطاب ساری دنیا کے انسانوں سے ہے وہاں درحقیقت یہ کہنا چاہتا ہے کہ قرآن کسی خاص قوم یا گروہ سے مخصوص نہیں ہے۔ جو کوئی بھی قرآن کی طرف آئے گا نجات پا لے گا۔ لیکن جن آیات میں کہا گیا ہے کہ قرآن مومنین و متقین کے لیے ہدایت ہے ' وہاں یہ امر واضح کرنا چاہتا ہے کہ آخر کار کون لوگ قرآن کا رخ کریں گے اور کون سے گروہ اس سے دوری اختیار کریں گے ...

کیا قرآن قابل فہم ہے؟

شاید بہت سے افراد کو یہ سوال عجیب لگے لیکن تاریخ میں مسلمانوں کے کئی ایسے گروہ گزرے ہیں اور آج بھی اس فکر کے حامل افراد موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو فقط رسول اللہ ﷺ سمجھ سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ؐ نے جو تفسیر بیان فرمائی ہے اسی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ بعض مخاطبین اولین (اصحاب رسول ﷺ) کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور بعض رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئمہ اہل بیت ؑ کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اہل تشیع کے ہاں ایسے افراد کو اخباری اور اہل تسنن کے ہاں اہل حدیث کہا جاتا ہے۔ اخباریوں کا نقطہ نظر استاد شہید ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

... در مورد قرآن محترمانه ادعا می کردند که قرآن بزرگتر از این است که ما آدمیهای حقیر بتوانیم آنرا مطالعه کنیم و در آن بیندیشیم ' فقط پیامبر و ائمه حق دارند در آیات قرآن غور کنند ما فقط حق تلاوت آیات راداریم این گروه بمان اخباریین بستند ' اخباریین تنها مراجعه به اخبار و احادیث را جائز می دانستند

... قرآن کے بارے میں وہ احترام کے ساتھ دعویٰ کرتے تھے کہ قرآن اس سے عظیم تر ہے کہ ہم حقیر لوگ اس کا (غور سے) مطالعہ کریں اور اس کے بارے میں غور و فکر کریں ۔ فقط رسول اللہ ﷺ اور آئمہ ؑ حق رکھتے ہیں کہ آیات قرآن میں غور کریں۔ ہم فقط آیات کی تلاوت کا حق رکھتے ہیں۔ یہی اخباری لوگ ہیں۔ اخباری حضرات فقط روایات و احادیث کی طرف رجوع کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

استاد شہید نے اس سلسلے میں دور قدیم میں اشاعرہ کے طرز فکر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں افراط کے مقابلے میں تفریطی رائے رکھنے والے متصوفہ اور اسماعیلیہ کا نقطہ نظر بھی بیان کیا ہے۔ اپنا نظریہ وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

قرآن در برابر جمود و خشک اندیشی اخباریون و نظایر آنها و بمچنین در مقابل انحرافات و برداشتهای ناروای باطنیه (۲۵) و دیگران راه وسطی پیشنهاد میکند که عبارت است از تامل و تدبر بی غرضانه و منصفانه ...(۲۶)

قرآن اخباریوں وغیرہ کے جمود اور خشک فکری نیز باطنیہ وغیرہ کے انحرافات اور کج فکریوں کے مقابلے میں راہ اعتدال تجویز کرتا ہے اور وہ عبارت ہے بے غرضانہ اور منصفانہ غور و فکر سے ...

قرآن کی استعداد بے پایاں

استاد مطہری نے اپنی مختلف کتب میں مختلف مناسبتوں سے یہ بات بیان کی ہے کہ قرآن مجید میں

تحقیق و استنباط کے لحاظ سے بے پایاں استعداد موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ جیسے عالم طبیعت میں غور و خوض کرتے ہوئے ہر دور میں انسان نئے امور کشف کرتا رہتا ہے اور کئی امور اس کے سامنے ہونے کے باوجود بھی اس کے لیے لاینحل رہتے ہیں اور ہر آنے والے دور میں ماہرین بعض نئے امور سے پردہ اٹھا دیتے ہیں ' یہی حال قرآن کا بھی ہے۔ انسان کی فکر و نظر جوں جوں وسیع تر اور عمیق تر ہوتی چلی جاتی ہے وہ قرآن کی عبارت و مضامین سے نئے نئے راز اور نئے نئے امور کشف کرتا چلا جاتا ہے۔ انہوں نے توجہ دلائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آئمہ اہل بیت" نے اپنے فرمودات میں پہلے ہی قرآن کے اس حیرت انگیز پہلو کی نشاندہی فرما دی تھی۔ ایک حدیث رسول ﷺ ملاحظہ کیجئے:

ظاهره انيق و باطنه عميق له تخوم و على تخومه تخوم لا تحصى عجائبه ولا تبلى غرائبه (۲۷)

قرآن کا ظاہر بڑا خوبصورت اور اس کا باطن بہت گہرا ہے ' جس کی ایک حد ہے پھر اس سے ماوراء ایک اور حد ہے۔ اس کی تعجب انگیزیاں کبھی ختم نہ ہوں گی اور اس کی تازگیاں کبھی پژمردہ نہ ہوں گی۔ (۲۸)

اعجاز قرآن

ویسے تو قرآن کے جس پہلو پر بھی بات کی جائے اعجاز قرآن کا کوئی نہ کوئی رخ سامنے آ جاتا ہے تاہم استاد شہید نے اعجاز قرآن کے عنوان سے بہت کچھ لکھا ہے اور کہا ہے۔ اس حوالے سے ان کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قرآن رسول اللہ ﷺ کا دائمی معجزہ ہے اور یہی دین خاتم اور دین جاوداں کا لازمہ ہے۔

(۲) قرآن لفظی اعتبار سے بھی معجزہ ہے اور معنوی لحاظ سے بھی۔

(۳) قرآن فصاحت و بلاغت ہی کا حامل نہیں بلکہ ایک خاص جمال اور جاذبیت بھی رکھتا ہے۔

(۴) قرآن معروف مفہوم میں شعر ہے نہ نثر بلکہ اس کا اپنا ہی پیرایہ بیان ہے جس کی مثیل ہے نہ نظیر

(۵) قرآن کا اپنا چیلنج ہے: **فليا توا بحديث مثله** (پس اس جیسی کوئی بات بنا لاؤ) ۔ (۲۹) اس چیلنج کا کوئی جواب نہ لایا جا سکا اور جنہوں نے کوشش کی ان کی نامرادی مسلم ہے۔

(۶) قرآن کی خاص تاثیر اور جاذبیت ہی کی وجہ سے کفار رسول اللہ کو ساحر کہتے تھے۔

(۷) قرآن میں بیان کی گئی غیب کی خبریں بھی اس کے اعجاز کا ایک پہلو ہیں۔ (۳۰)

ان سب امور کے ساتھ ساتھ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن معروف معنی میں کسی علم

مثلاً طب یا انجینئرنگ کی کتاب نہیں بلکہ کتاب ہدایت ہے۔

شرائط تفسیر

استاد مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ علیہ نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں ہم ذیل میں انہیں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

(۱) عربی زبان پر کامل عبور

(۲) تاریخ اسلام سے آگاہی 'کیونکہ قرآن تیئس سال کی مدت میں بتدریج مختلف مناسبتوں سے نازل ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا فہم مطالب کے لیے پس منظر کے جاننے کی بہت اہمیت ہے۔

(۳) احادیث رسول سے واقفیت 'کیونکہ رسول اللہ خود نص قرآن کی رو سے پہلے مفسر قرآن تھے۔

(۴) آئمہ اہل بیت ؑ کی روایات معتبرہ سے آگاہی' البتہ یہ روایات بھی رسول اللہ ﷺ ہی سے پہنچی ہیں۔(۳۱)

تفسیر قرآن کا پہلا مرحلہ

استاد مطہری نے اس امر پر زور دیا ہے کہ تفسیر قرآن کا پہلا مرحلہ قرآن کو قرآن ہی کی مدد سے "پہچاننا ہے 'کیونکہ :

اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضاً

یعنی قرآن کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ (۳۲)

محکم متشابہ

قرآن مجید کے مطابق اس میں کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہات۔ ان سے کیا مراد ہے ؟ اس پر علما کے دسیوں اقوال ہیں۔ استاد مطہری نے ایک عامیانہ نظریہ ذکر کرنے کے بعد قرآن حکیم ہی کی مدد سے مفہوم متعین کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

درباره ء محکمات و متشابهات یک تصور عوامانه وجود دارد ' گروہی می پندارند آیات محکم آنهای هستند که مطلب در آنها بصورت ساده صریح طرح شده و بعکس در آیات متشابه موضوعات بصورت لغز و معما و رمز مطرح گردیده است ـ برطبق این تعریف ' مردم حق دارند تنها در آیات محکمه و صریح تدبر کنند ' ولی آیات متشابه اساساً قابل شناخت نیستند و نمی توان در مورد آنها اندیشه کرد۔ قهراً اینجا سوال مطرح می گردد که اصلاً فلسفه آیات متشابه چیست ؟ پاسخ مطلب با اجمال اینست که نه معنای محکم ' صریح و ساده است و نه معنای متشابه لغزوارد رمز گونه۔

.... این با نص قرآن که می گوید : قرآن کتابی روشن گر و قابل فهم برای همه است و آیاتش همه نور و

بدایت ' منافات دارد۔ سر مطلب اینست که برخی مسائل مطروحه در قرآن بخصوص آنجا که سخن او امور غیب ماوراء الطبیعه است ' اساساً با الفاظ قابل بیان نیستند .... قرآن برای جلو گیری از مشتبه شدن آن معانی شامخ و عالی با معانی مادی می گوید متشابهات را به محکمات ارجاع کنید :

انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب۔ (۳۳)

قرآن را برتو فرود آورد ' برخی آیات آن محکم هستند یعنی داری آنچنان استحکامی که نمی توان آنها را از معنی خود خارج کرد و معانی دیگری نتیجه گرفت۔ این آیات ام الکتاب یعنی آیات مادرند ' یعنی درست بمانگونه که طفل به مادر رجوع میکند و مادر مرجع فرزند است و یا شهر پای بزرگ۔ ام القریٰ۔ مرجع شهرهای کوچکتر محسوب می شوند ' آیات محکم نیز مرجع آیات متشابه بحساب می آیند آیات متشابه برای فهمیدن و تدبر کردن هستند ' اما در آنها باید بکمک آیات محکم تدبر کرد۔ بدون کمک آیات مادر و آنچه که از آیات متشابه اخذ شود درست و معتبر نخواهد بود (۳۴)

محکمات و متشابہات کے بارے میں ایک عوامی سا تصور ہے۔ بعض افراد کا خیال ہے کہ آیات محکم وہ ہیں جن میں مطالب سادہ اور صریح صورت میں پیش ہوئے ہیں اور اس کے برعکس آیات متشابہ میں غیر واضح ' معمائی اور رمزیہ صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اس تعریف کے مطابق لوگوں کا حق یہ ہے کہ وہ صرف محکم اور صریح آیات میں غور کریں جبکہ آیات متشابہ اصولاً قابل فہم ہی نہیں لہٰذا ان کے بارے میں غور و فکر نہیں کیا جا سکتا۔ مجبوراً یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیات متشابہ کا فلسفہ کیا ہے ؟ قرآن نے ان آیات کا ذکر ہی کیوں کیا ہے جو نا قابل فہم ہیں ؟ اس سوال کا اجمالی جواب یہ ہے کہ محکم کا معنی صریح و سادہ ہے نہ متشابہ کا معنی غیر واضح اور رمزیہ .... یہ امر قرآن کی اس بات کے منافی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جو وضاحت کرنے والی اور سب کے لیے قابل فہم ہے اور اس کی تمام آیات نور و ہدایت ہیں۔ اس امر کا راز یہ ہے کہ قرآن کے بعض پیش کردہ مسائل خصوصاً غیب اور ماوراء الطبیعہ سے متعلق امور اصولاً الفاظ کے ذریعے بیان ہی نہیں ہو سکتے ... قرآن ایسے عظیم اور بلند معانی کو مادی مفاہیم میں خلط ہونے سے بچانے کے لیے کہتا ہے کہ متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹاؤ۔

اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ

اس کی طرف سے تم پر آیات محکمات نازل کی گئی ہیں۔ یعنی یہ آیات اس قدر مستحکم ہیں کہ انہیں ان کے (حقیقی) معانی سے نہیں ہٹایا جا سکتا اور کوئی اور معانی ان سے مراد نہیں لیا جا سکتا۔ یہ

آیات ام الکتاب ہیں یعنی آیات مادر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بالکل اسی طرح جیسے بچہ اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے اور بچے کے پلٹنے کی جگہ ماں ہے یا بڑے شہر "ام القریٰ" چھوٹے شہروں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں ' آیات محکم بھی آیات متشابہ کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آیات متشابہ سمجھنے اور غور کرنے کے لیے لیکن ان میں آیات محکم کی مدد سے غور کرنا چاہیے اور آیات مادر کی مدد کے بغیر جو کچھ آیات متشابہ سے اخذ کیا جائے گا صحیح اور معتبر نہیں ہو گا۔

تفسیر میں شان نزول کی حیثیت

تفسیر میں شان نزول کی حیثیت کا مسئلہ بہت معرکۃ الآراء ہے۔ ایک نقطہ ء نظر افراطی ہے اور دوسرا تفریطی۔ ایک نظریے کے مطابق قرآن کے مفہوم کو شان نزول اور روایات میں متعین کردہ کسی مفہوم یا مصداق سے ادھر ادھر نہیں ہونا چاہیے۔ دوسرے نظریے کے مطابق شان نزول اور روایات کا قرآن فہمی میں کوئی کردار نہیں۔ استاد مطہری اعلی اللہ مقامہ ' نے اس سلسلے میں بھی راہ وسط کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

شان نزول چیزی نیست که معنای آیه را در خود محدود کند بلکه بعکس دانستن شان نزول تاحد زیادی در روشن شدن مضمون آیات مؤثر و راهگشا است۔ (۳۵)

شان نزول کوئی ایسی چیز نہیں جو آیت کا معنی اپنے اندر محدود کر لے بلکہ اس کے برعکس شان نزول جاننا بہت حد تک آیات کا مضمون واضح کرنے میں موثر اور راہنما ہے۔

گمراہ کن تفسیروں کا جواب

استاد مطہری جہاں کہیں دیکھتے اور محسوس کرتے کہ قرآن حکیم کے مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے یا تصرف سے کام لیا گیا ہے تو بے تاب ہو جاتے۔ وہ قرآن کے مدافع کی حیثیت رکھتے تھے۔ جناب فضل اللہ محلاتی کا بیان ہے :

جس وقت گروہ فرقان نے قرآن مجید کی تفسیر میں چند پارے شائع کیے تو استاد مطہری نے علماء کی ایک میٹنگ میں فرمایا :

" یہ لوگ خطرناک ہیں چونکہ قرآن میں تصرف کر رہے ہیں۔ ان کا ایسا کرنا علم اور مال کی چوری جیسا نہیں بلکہ یہ وحی الٰہی کی طرف ظلم کا ہاتھ بڑھانا ہے "۔

ایک روز جب ان کے گھر میں دوست احباب موجود تھے ' آپ نے فرمایا :

" میں ان کا مقابلہ کروں گا۔ ممکن ہے یہ لوگ مجھے قتل کر دیں لیکن میں انہیں ہر حالت میں اپنی بات سناؤں گا کیونکہ یہ لوگ دین کے لیے خطرناک ہیں "۔ (۳۶)

استاد مطہری کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی شہادت اسی گمراہ گروہ فرقان کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی ... گویا یہ عاشق قرآن ... قرآن ہی کی حفاظت کے جرم میں کج اندیشوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ سچ فرمایا ہے قرآن نے :

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ○

یعنی بہت سے لوگ اس سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے راہ پا جاتے ہیں اور گمراہ فقط فاسق لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (۳۷)

شہید مطہری کی علمی خدمات

استاد مطہری علیہ الرحمہ کی کتب و آثار پر مبنی ' اس وقت تک تقریباً ستر جلدیں چھپ چکی ہیں۔ (۳۸) ان میں کتب فلسفی بھی ہیں ' اخلاقی بھی ' فقہ تحلیلی پر مبنی بھی اور فلسفہ احکام سے متعلق بھی۔ تفسیر قرآن پر مبنی جلدیں بھی ان میں شامل ہیں اور سبق آموز سچی کہانیوں پر مشتمل " داستان راستان " کی دو جلدیں بھی۔ ویل ڈیورنٹ کے فلسفہ تاریخ پر نقد و نظر بھی چھپ گئی ہے اور حافظ شیرازی کے حوالے سے دیئے گئے لیکچرز پر مشتمل " تماشا گہ راز " بھی۔ ٹھیٹھ اور کلاسیکل فلسفی کتب میں تفسیری مواد کم ہے جبکہ اخلاقی و تربیتی کتب میں نسبتاً زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ابھی بہت سا مواد کیسٹوں کی صورت میں موجود ہے۔

تفسیری و غیر تفسیری کتب میں مختلف حوالوں سے تقریباً چودہ سو آیات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ کیسٹوں میں موجود ایسا مواد جو ابھی شائع نہیں ہوا وہ اس پر مستزاد ہے۔ تا حال شائع شدہ کتب کو سامنے رکھا جائے تو صرف آٹھ سورتیں ایسی ہیں جن کی کسی آیت کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ البتہ یہ زیادہ تر چھوٹی سورتیں ہیں ' جن میں سے چھ تیسویں پارے سے متعلق ہیں۔ بعض سورتوں کا تفسیری مواد خاصا زیادہ ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ ' سورہ اعراف وغیرہ اور بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جن کی فقط ایک یا دو آیتوں کے بارے میں کچھ تفسیری مواد موجود ہے۔ تاہم کیسٹوں کا غیر مطبوعہ مواد جب اعداد و شمار میں شامل ہو گا تو صورت حال کچھ زیادہ واضح ہو سکے گی۔ البتہ یہ مواد کیسٹوں سے سن کر چند ساتھیوں نے لکھ لیا ہے۔

بعض آیات مختلف مقامات پر تکراراً بھی زیر بحث آئی ہیں جبکہ خود قرآن حکیم میں بہت سی آیات اور موضوعات تکراری ہیں۔ لہٰذا ضروری نہیں کہ اگر کوئی آیت کسی مقام پر بلا واسطہ زیر بحث نہ آئی ہو تو اس کا موضوع یا مفہوم کہیں اور عنوان قرار نہ پایا ہو۔

استاد شہید کے موضوعات کا تنوع ' وسعت اور جامعیت کو سامنے رکھا جائے تو بلا خوف تردید کہا

جا سکتا ہے کہ ان کے مواد تفسیری کو اگر حسن ترتیب سے پیش کر دیا جائے تو تفسیر کی دنیا میں ایک گرانقدر اضافہ ہو جائے گا جسے یقیناً اہل علم و فضل کے علاوہ عاشقان قرآن کے عظیم طبقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہو گی۔ (انشاء اللہ)

ایک اجمالی جائزے کے مطابق تقریباً ڈیڑھ ہزار درمیانے سائز کے صفحوں پر تفسیری مواد آثار شہید میں موجود ہے۔

تفسیر مطہری

چند سال پہلے کی بات ہے، چند احباب نے مل کر فیصلہ کیا کہ استاد شہید مطہری کی کتب کا اجتماعی مطالعہ شروع کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کتب کی ایک ترتیب بھی ملحوظ رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ ہر ہفتے تمام ساتھی ایک باب کا مطالعہ کر کے آتے پھر باہم جمع ہو کر اس کے مطالب پر ایک ترتیب سے گفتگو کرتے۔ یہ سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ جن ساتھیوں نے ان نشستوں میں باقاعدہ شرکت کی انہیں اعتراف ہے کہ انہوں نے بہت کسب فیض کیا۔ اس دوران میں اور استاد مطہری کی کتب کے مطالعے کے دیگر مواقع پر، اس طرف توجہ ہوئی کہ تقریباً تمام موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے استاد شہید نے قرآن مجید سے بھرپور حسن انتخاب اور اعلیٰ بصیرت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے متنوع موضوعات میں آیات قرآنی سے کچھ اس انداز سے استدلال کیا ہے کہ اس عظیم الٰہی کتاب کے تازہ بہ تازہ گوشے قاری کے سامنے آتے رہتے ہیں، قرآن حکیم کی تازگی اور ہمہ گیریت کا احساس قاری کو سرشار کر دیتا ہے اور جذب و ایمان کی دل آویز کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

انہی کیفیات میں ڈوبے ہوئے ایک مرتبہ یہ خیال ذہن میں آیا کہ اگر استاد گرامی کے آثار سے قرآن کریم کے تفسیری مطالب استخراج کر کے مدون کر لیے جائیں تو ایک گرانبھائی تفسیر کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اسے اگرچہ تفسیر کا کامل دورہ نہ کہا جا سکے تاہم اچھا خاصا مواد راہیان قرآن اور عاشقان کتاب اللہ کے لیے جمع ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک عرصے سے کام شروع ہے بلکہ پہلی جلد مرتب ہو چکی ہے۔

مصادر و حواشی

(۱) آپ بیتی اور حالات زندگی، ص ۴۴ و ۴۵، الحرمین پبلشرز پاکستان کراچی۔ ۱۹۹۶ء
(۲) آشنائی با قرآن، شناخت قرآن، ص ۳۴ و ۳۵، انتشارات صدرا، قم۔
(۳) سورہ ص، ۲۹۔ (۴ و ۵) آشنائی با قرآن، ص ۳۹۔
(۶ و ۷) آپ بیتی اور حالات زندگی، ص ۹۷ و ۹۸۔
(۸) حجر، ۹۔

(۹) اسلام اور وقت کے تقاضے ' ص ۱۰۴ ' ادارہ احیائے تراث اسلامی کراچی ' جون ۱۹۹۳ء اور ختم نبوت (اردو) ' ص ۷ ' مرکز تبلیغات پنجمین سالگرہ پیروزی انقلاب اسلامی ایران۔

(۱۰) اسلام اور وقت کے تقاضے ' ص ۱۰۵۔

(۱۱) درس قرآن ' ص ۲۱۲ ' دارالثقافۃ الاسلامیہ کراچی ' ۱۹۹۵ء۔

(۱۲ و ۱۳ و ۱۴) آشنائی باقرآن ' ص ۱۳۔

(۱۵) آشنائی با قرآن ' ص ۱۴ اور درس قرآن میں " اعجاز قرآن کی وجوہات کے زیر عنوان دیکھیے " جہاں استاد شہید نے اس موضوع کو خاصی وضاحت سے بیان کیا ہے ' ص ۲۱۵ و ما بعد۔

(۱۶) آشنائی با قرآن ' ص ۱۵۔

(۱۷) درس قرآن میں " قرآن کا معجزہ " کے زیر عنوان اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ استاد مطہری نے اپنی کتاب " ختم نبوت " میں اس پر نسبتاً اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

(۱۸) آشنائی با قرآن ' ص ۱۳۔

(۱۹) متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو " فرقان " قرار دیا ہے۔ مثلاً:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبد لیکون للعالمین نذیرا (فرقان۔ ۱)

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ عالمین کو متنبہ کرنے والا ہو۔

سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۵ اور سورہ آل عمران کی آیت ۴ بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۲۰) و (۲۱) آشنائی باقرآن ' ص ۱۰ و ۱۱۔

(۲۲) آشنائی باقرآن ' ص ۳۵۔ (۲۳) آشنائی ' ص ۹

(۲۴) آشنائی باقرآن ' ۴۳۔

(۲۵) استاد شہید کی صراحت کے مطابق " باطنیہ " سے مراد یہاں " اسماعیلیہ " ہی ہے۔ انہوں اس کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ اصل کتاب دیکھیے۔

(۲۶) آشنائی با قرآن ' ۲۴ تا ۲۸ ملاحظہ کیجئے۔

(۲۷) اصول کافی ' جلد ۲۔

(۲۸) اس موضوع پر استاد مطہری نے مختلف نے مختلف کتب میں بات کی ہے۔ دیکھیے :

ختم نبوت ' ص ۲۷ تا ۷۵ اور آشنائی با قرآن ' ص ۲۹ و ۳۰

(۲۹) طور۔ ۳۴۔ (۳۰) درس قرآن ' ص ۲۱۱ و ما بعد۔

(۳۱ و ۳۲) آشنائی با قرآن ' ص ۲۰ و ۲۱۔

(۳۳) آل عمران۔ ۷ آیت یوں شروع ہوتی ہے:

ھوالذی انزل علیک الکتاب منہ آیت محکمٰت من ام الکتب و اخر متشبھٰت

(وہ ذات وہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ اس میں بعض آیات محکمات جو ام الکتاب ہیں اور بعض متشبہات)

(۳۴) آشنائی با قرآن ' ص ۲۱ تا ۲۴۔ (۳۵) آشنائی با قرآن ' ص ۲۰۔

(۳۶) آپ بیتی اور حالات زندگی ' ص ۷۶ و ۷۷۔ (۳۷) بقرہ۔ ۲۹۔

(۳۸) شہید مطہری کی ان کتابوں میں سے بعض کی لسٹ جو چھپ چکی ہیں ان میں سے بعض کے اردو میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔

۱۔ اصول فلسفہ و روش رئالیسم (۱،۲،۳،۴،۵)
۲۔ نقدی بر مارکسیسم
۳۔ عدل الٰہی
۴۔ انسان و سرنوشت
۵۔ علل گرائش بہ مادیگری
۶۔ مقدمہ ای برجہان بینی اسلامی
انسان و ایمان
جہان بینی توحیدی
وحی و نبوت
انسان در قرآن
جامعہ و تاریخ
زندگی جاوید یا حیات اخروی
۷۔ امامت و رہبری
۸۔ اسلام و مقتضیات زمان
۹۔ جہاد
۱۰۔ داستان راستان
۱۱۔ سیری در سیرہ نبوی
۱۲۔ ختم نبوت
۱۳۔ پیامبرای
۱۴۔ ولاء ها و ولایتها
۱۵۔ جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام
۱۶۔ حماسہ حسینی
۱۷۔ قیام و انقلاب
۱۸۔ سیری در نہج البلاغہ
۱۹۔ خدمات متقابل اسلام و ایران
۲۰۔ آشنائی با علوم اسلامی
۲۱۔ عرفان حافظ
۲۲۔ آشنائی با قرآن
۲۳۔ تعلیم و تربیت
۲۴ فلسفہ اخلاق
۲۵ ده گفتار
۲۶ بیست گفتار
۲۷ گفتار های معنوی
۲۸ نہضت های اسلامی در صد سالہ اخیر
۲۹ پرامون انقلاب اسلامی
۳۰ پرامون جمہوری اسلامی
۳۱ مسئلہ حجاب
۳۲ نظام حقوق زن در اسلام
۳۳ اخلاق جنسی
۳۴ پاسخهای استاد
۳۵ امداد های غیبی در زندگی بشر
۳۶ حق و باطل
۳۷ تکامل اجتماعی انسان
۳۸ مسئلہ ربا
۳۹ سیری در سیرہ ائمہ اطہار علیہم السلام
۴۰ مسئلہ شناخت
۴۱ انسان کامل
۴۲ نظری بہ نظام اقتصادی اسلام
۴۳ فلسفہ تاریخ (۱)
۴۴ فطرت
۴۵ خاتمیت
۴۶ آشنائی با قرآن (۴)
۴۷ اسلام و مقتضیات زمان
۴۸ آشنائی با قرآن (۵)
۴۹ آشنائی با قرآن (۶)
۵۰ توحید
۵۱ نبوت
۵۲ معاد

ادارہ علوم القرآن

سید فدا حسین بخاری

قرآن مجید خالق کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے آخری صحیفہ ہدایت اور رہتی دنیا تک کے لئے رب العالمین کی مرضیات کا ترجمان ہے۔ قرآن کریم کی اس عظمت اور اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کی صحیح شکر گزاری کا تقاضا ہے کہ ہماری فکر و نظر کا محور و مرکز کتاب الٰہی ہو اور عملی زندگی کے ہر گوشہ میں یہی نور مبین ہمارے لئے حقیقی مشعل راہ ہو۔ قرآنی حقائق و معارف سے فیض یاب ہونے اور اس کے متعین کردہ خطوط پر انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر کے لئے ناگزیر ہے کہ اس پر غور و فکر کا سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے اور اس کی تعلیم و تعلم کا آوازہ برابر بلند ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمان کسی دور میں بھی اس احساس سے خالی نہیں رہے' لیکن کتاب اللہ کی عظمت اور اس کی اساسی حیثیت کا تقاضا ہے کہ نگاہیں ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہیں' مختلف انداز اور مختلف پہلوؤں سے اس سے ربط و تعلق کو ہمیشہ تازہ و استوار رکھا جائے اور قرآنی علوم و معارف کی توسیع و اشاعت کے لئے ہر ممکن کوشش جاری رہے۔

اسی احساس کے پیش نظر ۱۹۸۴ء میں ادارہ علوم القرآن کا قیام عمل میں آیا اور امور ذیل اس کے بنیادی مقاصد قرار پائے۔

۱۔ اسلام کے دستور اساسی قرآن کریم کو محور بنا کر امت اور انسانیت کو در پیش مسائل کا حل

۲۔ قرآن و سنت کی روشنی میں علوم دینیہ کی تجدید اور علوم جدیدہ کی تطہیر

۳۔ قرآن کریم سے متعلق اصولی اور فنی موضوعات پر علمی و تحقیقی کام

دائرہ کار

مذکورہ مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ادارہ نے ایک پروگرام تشکیل دیا ہے اور فی الحال اپنے دائرہ کار کو درج ذیل سرگرمیوں تک محدود رکھا ہے:

۱۔ قرآنی افکار و علوم کی اشاعت کے لئے ایک معیاری رسالہ کا اجراء۔
۲۔ قرآنیات سے متعلق اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا اہتمام
۳۔ علوم اسلامیہ بالخصوص قرآنیات سے متعلق ایک لائبریری کا قیام
۴۔ قرآنیات پر مطالعہ و تحقیق کے لئے طلبہ کی تربیت و نگرانی اور اس مقصد کے حصول کے لئے وظائف و دیگر سہولیات کی فراہمی۔
۵۔ قرآنیات سے متعلق خطبات و مذاکرات کا اہتمام
۶۔ علوم اسلامیہ کے مراکز اور ہم مقصد اداروں سے تعاون و رابطہ

ششماہی علوم القرآن

ادارہ کے اشاعتی پروگرام میں ایک مجلّہ کی اشاعت کو اولیت دی گئی ہے جو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مدد و معاون اور اس کے تعارف کا ذریعہ بھی بن سکے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۸۵ء سے ششماہی علوم القرآن کے نام سے ایک مجلّہ کا اجراء عمل میں آیا۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس مجلّہ کی اشاعت جاری ہے اور اب تک اس کی ۱۱ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ قرآنیات کے ساتھ اختصاص اس کی انفرادیت ہے۔ اداریہ سے لے کر خبرنامہ تک اس کا ہر کالم قرآنیات ہی کے کسی نہ کسی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کسی سماجی یا معاشی مسئلہ کا تجزیہ' انسانی زندگی کے کسی پہلو سے متعلق قرآنی تعلیمات کا مطالعہ' قدیم و جدید مفسرین میں سے کسی ایک کا تعارف یا ان کی تفسیری خدمات اور منہج تفسیر کا تحقیقی جائزہ' قرآنیات پر نئی مطبوعات کا تعارف' تنقیدی اور تجزیاتی تبصرے' قدیم و معاصر رسائل کے قرآنی مضامین کا اشاریہ' قرآنیات کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اردو' عربی اور انگریزی مطبوعات کے اشارے اور قرآن و قرآنیات سے متعلق اہم و دلچسپ خبریں اس مجلّہ کے مستقل مشتملات ہوتے ہیں۔

مجلّہ کی ایک خصوصیت اس کے مضامین کا انگریزی خلاصہ بھی ہے جو ہر شمارہ کے آخر میں دیا جاتا ہے۔ انگریزی داں طبقہ بالخصوص مغربی ملکوں کے بہت سے مسلم و غیر مسلم دانشوروں میں مجلّہ کا یہی انگریزی حصہ اس کے اور ادارہ کے تعارف کا ذریعہ بن رہا ہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ یہ مجلّہ قرآنی علوم کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے۔

ادارہ کی مطبوعات

ادارہ اب تک درج ذیل تین کتابیں شائع کر چکا ہے۔

۱۔ حقیقت نماز : مولانا امین احسن اصلاحی

۲۔ قرآنی مقالات : ماہنامہ "الاصلاح" (دائرہ حمیدیہ' مدرسۃ الاصلاح' سرائے میر' اعظم گڑھ کے قدیم ترجمان) کے قرآنی مضامین کا محقق مجموعہ

آئندہ اشاعتی منصوبے

۱۔ قرآنیات پر مطبوعہ اردو کتب کا موضوعاتی اشاریہ

۲۔ معروف عالمی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی توضیحی بائیو گرافی

۳۔ قرآنی دائرۃ المعارف (قرآن و قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں پر انسائیکلو پیڈیا)

قرآنیات کی لائبریری

لائبریری میں علوم اسلامیہ بالخصوص قرآنیات پر اردو' عربی و انگریزی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ دستیاب ہے۔ اس لائبریری میں ترجمان القرآن مولانا فراہی کے نوادرات و تصنیفات اور ان پر اہم کتب' تحقیقی مقالات و مضامین کے لئے بھی ایک گوشہ مخصوص ہے۔ کتابوں کے علاوہ اردو' عربی و انگریزی کے معیاری رسائل بھی اس لائبریری کا ایک اہم حصہ ہیں جو ہند و بیرون ہند سے ششماہی علوم القرآن کے تبادلہ میں موصول ہوتے ہیں۔ لائبریری کے ذخیرہ میں ادارہ کی اپنی کتابوں کے علاوہ بعض اراکین ادارہ کی جانب سے عاریۃ " و امانۃ" دی گئی کتابیں بھی شامل ہیں۔ لائبریری کی توسیع و ترقی اور اسے مزید مفید و بہتر بنانے کے لئے مسلسل تگ و دو جاری ہے۔

قرآنی محاضرات و مذاکرات

قرآن و سنت کی روشنی میں امت کو درپیش مسائل پر غور و فکر اور قرآنیات سے متعلق اہم موضوعات پر تبادلہ خیال کے لئے مذاکرات کا اہتمام بھی ادارہ کے پروگرام میں شامل ہے۔

ہم مقصد اداروں سے تعاون و رابطہ

علمی و تحقیقی اداروں و مراکز میں باہمی تعاون نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کی سرگرمیوں کو سمجھنے کا موثر ذریعہ بنے بلکہ ان کی توسیع و ترقی میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی احساس کے تحت ادارہ نے اپنے پروگرام میں دوسرے ہم مقصد اداروں سے تعاون و اشتراک کو بہت اہمیت دی ہے۔ ادارہ علوم القرآن اور متعدد علمی مراکز اور تحقیقی و تصنیفی اداروں میں باہمی ربط وتعاون کا سلسلہ قائم ہے۔

رابطہ کے لئے :

ادارہ علوم القرآن پوسٹ بکس نمبر ۹۹
سرسید نگر' علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲' ہندوستان

❁❁❁

انٹر نیٹ پر تجوید القرآن

سید امتیاز علی

بیسویں صدی کی آخری دھائی کی ایجاد انٹر نیٹ تمام شعبہ ہائے حیات پر تیزی سے چھائے چلی جارہی ہے اور اس بات کا روشن امکان ہے کہ نئی صدی میں انٹر نیٹ کو انسانی ضروریات میں شمار کیا جانے لگے گا۔ علوم القرآن کی تدریس و تبلیغ کے لئے بھی انٹر نیٹ کو استعمال کیا جارہا ہے۔ اس مضمون میں ہم تجوید القرآن کے لئے بنائی گئی ایک ویب سائٹ کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔ اس سائٹ پر جانے کے لئے آپ پہلے "المیزان" کی سائٹ پر جائیں جس کا ایڈریس http://www.asiapak.net/ukhuwat ہے پھر وہاں سے "QURANIC WORLD OF INTERNET" کے ذریعے تجوید قرآن کی سائٹ نمبر ۲ پر تشریف لے جائیں۔ اس طرح تجوید القرآن کی ویب سائٹ کھل جائے گی اور ایک ویب پیج نمایاں ہو جائے گا۔ (ملاحظہ کیجئے شکل نمبر ۱)

اس ویب پیج پر آپ کو درج ذیل options نظر آئیں گی۔

١۔ المقدمه	٢۔ قرية التجويد	٣۔ كوخ الزوار
٤۔ اخبار القرية	٥۔ مخارج الحروف	٦۔ الميم الساكنة
٧۔ النون الساكنة والتنوين		٨۔ النون والميم المتشددين
٩۔ المدود		

ان نو options میں سے آخری پانچ تو خالص تجویدی قواعد و ضوابط اور ان کی مثالوں سے متعلق ہیں جن میں سے چند ایک کا ہم اس مضمون میں جائزہ لیں گے جبکہ پہلی چار تجوید کی اہمیت، پروگرام کے تعارف اور اس سائٹ پر آنے والوں کے تعارف سے متعلق ہیں۔ اگر ہم "المقدمة" کی

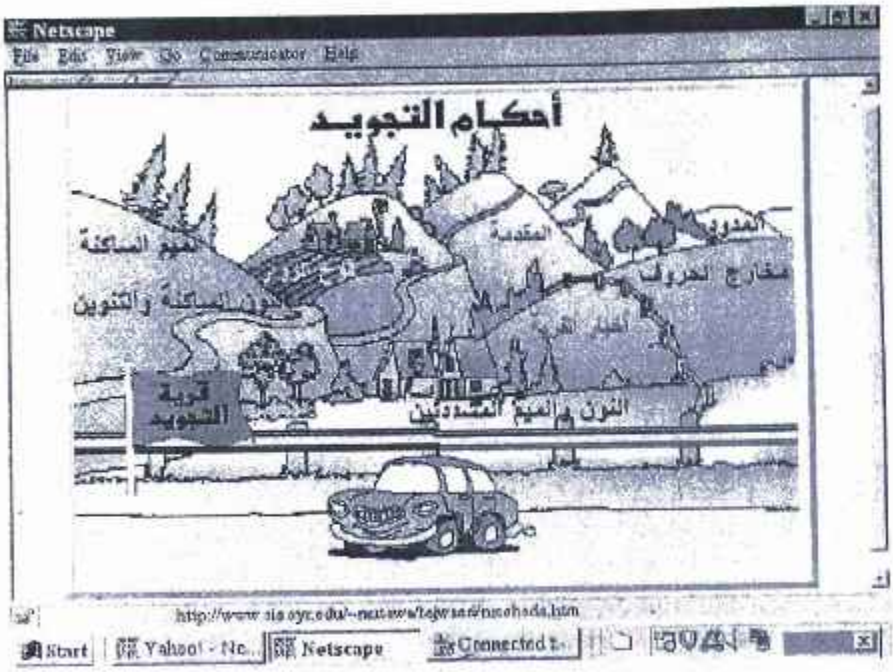

شکل نمبر ۱

options کو انتخاب کریں تو ہمیں ''علم التجوید'' سے متعلق ابتدائی معلومات مل جائیں گی البتہ یہ سائٹ سب کی سب عربی زبان میں ہے۔ لہذا جو متن بھی یہاں تحریر ہو گا عربی ہی میں تحریر ہو گا۔ ''قریۃ التجوید'' کی options انتخاب کرنے کی صورت میں تجوید کی اہمیت پر ایک صفحہ نمایاں ہو جائے گا۔ ''کوخ الزوار'' مخصوص ہے اس ویب سائٹ پر آنے والوں کے اظہار خیال کے لئے۔ اس سائٹ کے بارے میں اپنی تجاویز اور اپنی رائے آپ ''کوخ الزوار'' کی options انتخاب کر کے ریکارڈ کروا سکتے ہیں۔ ''اخبار القریۃ'' میں اس ویب سائٹ میں آئندہ نئے اضافات سے متعلق معلومات درج ہوں گی۔

تجوید کے مختلف ابواب کیلئے علیحدہ سے options موجود ہیں مثلاً اگر آپ ''النون الساکنہ والتنوین'' کی options انتخاب کریں تو کمپیوٹر کے مانیٹر پر شکل نمبر ۲ نمایاں ہو جائے گی جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ نون الساکنہ اور تنوین کے چار احکام ہیں جو کہ :

۱۔ الإظہار ۲۔ الادغام ۳۔ الاخفاء ٤۔ الاقلاب

ہیں۔ ان چاروں احکام میں سے ہم ''ادغام'' کا option اختیار کریں تو شکل نمبر ۳ نمایاں ہو جائے گی۔

شكل نمبر ٢

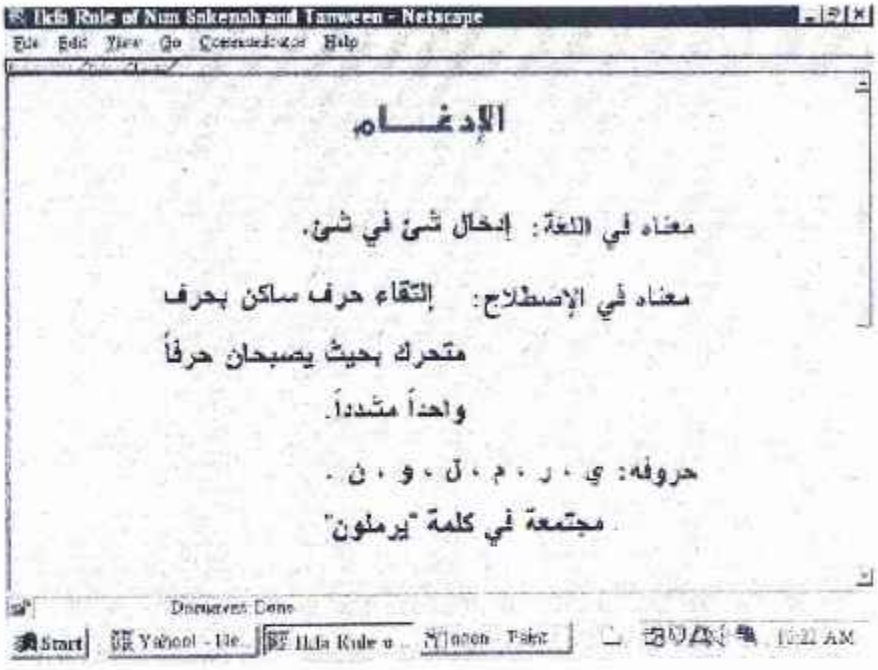

شكل نمبر ٣

جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے اس صفحہ پر ادغام کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ان حروف کی فہرست موجود ہے۔ شکل نمبر ۴ بھی دراصل شکل نمبر ۳ پر نمایاں ہونے والے ویب صفحہ کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں ادغام کی اقسام بیان کی گئی ہیں جو غُنّہ کے ساتھ اور بغیر غُنّہ کے ہیں۔ ان دونوں اقسام کی مثالیں ملاحظہ کرنے کے لئے ہمیں ان میں سے کسی ایک کو ماؤس کے ذریعے انتخاب کرنا ہوگا۔

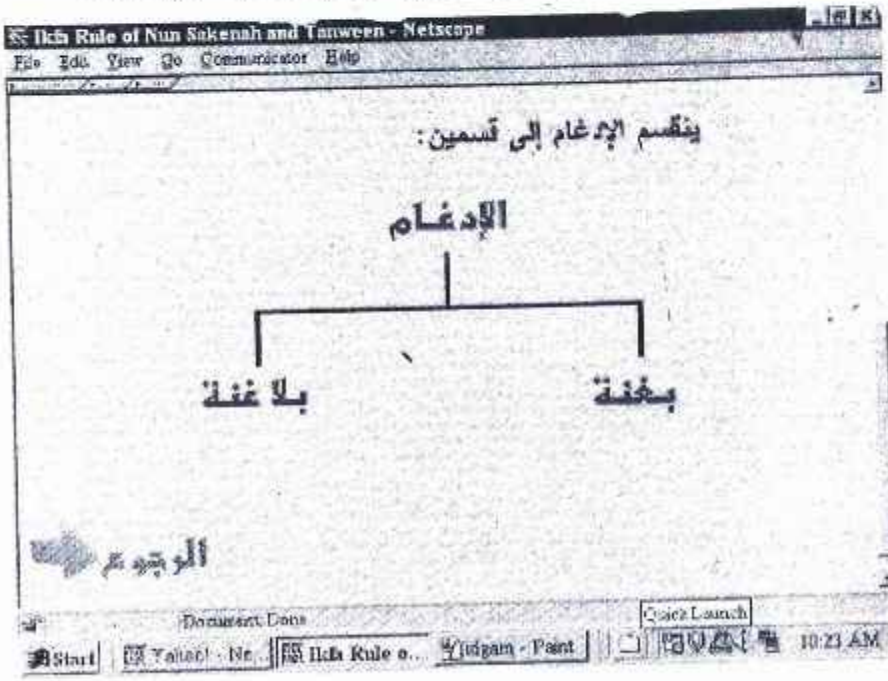

شکل نمبر ۴

تجوید القرآن کی اس ویب سائٹ کی سب سے اہم خصوصیت وہ مثالیں ہیں جو ہر باب کے ساتھ دی گئی ہیں۔ ان مثالوں میں آیات کی مکمل تلاوت کی جاتی ہے اور ہر باب کے حکم کو اس ذریعے سے واضح کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے شکل نمبر ۵ اور ۶

شکل نمبر ۵ میں بغیر غُنّہ کے ادغام سے متعلق قرآنی آیات کی مثالیں درج ہیں اور ادغام کی جگہ کو خط کشیدہ کیا گیا ہے۔ جب ان آیات میں سے کسی ایک کو کمپیوٹر ماؤس کے ذریعے انتخاب کیا جاتا ہے تو اس آیت کی تلاوت ہوتی ہے یوں "ادغام بلاغنہ" کی عملی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شکل نمبر ۶ میں نون متشددہ کے احکام کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

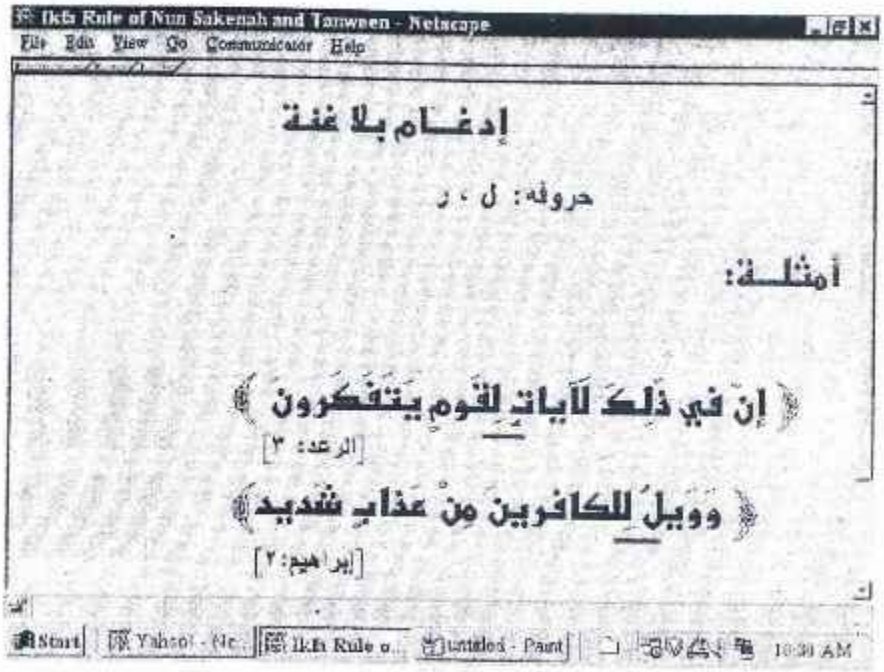

شکل نمبر ۵

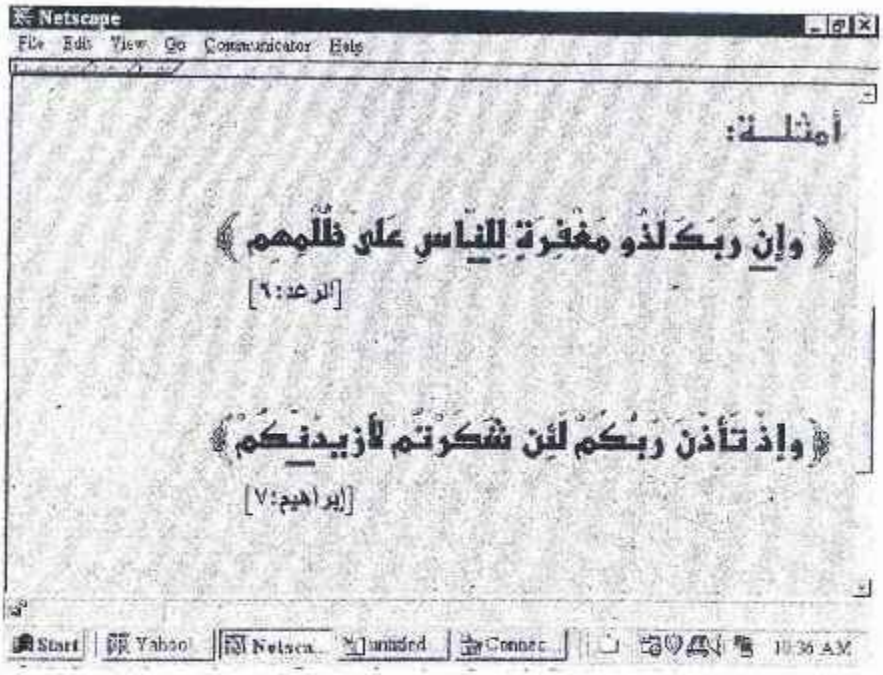

شکل نمبر ۶

المیزان کے گذشتہ چار شماروں میں چھپنے والے مقالات کی فہرست

عنوان مقالہ	مقالہ نگار	کل صفحات	شمارہ نمبر

علوم و معارف قرآن

☆	فضیلت قرآن	شیخ محسن علی نجفی	۱۴	۱
☆	قرآن حکیم میں ناسخ و منسوخ	ڈاکٹر محمد میاں صدیقی	۱۴	۱
☆	اعجاز قرآن	سید حسنین گردیزی	۱۳	۱
☆	تلاوت قرآن	ڈاکٹر غلام مرتضی ملک	۲۰	۲'۱
☆	آیت تطہیر' ایک تحقیقی جائزہ	ثاقب اکبر	۲۶	۲'۱
☆	قرآن کریم اور زبان عربی	پروفیسر ابو مسعود حسن علوی	۱۴	۱
☆	قرآن اور ہدایت بشری	محمد امین شہیدی	۲۲	۲'۱
☆	قرآن میں یہودیوں کے عملی انحرافات	امتیاز علی سید	۱۰	۱
☆	وحی الہی کا ایک جائزہ	شیخ محسن علی نجفی	۱۵	۲
☆	برصغیر میں مطالعہ قرآن	حسین عارف نقوی	۱۶	۲
☆	حروف مقطعات کی امتیازی خصوصیات	پروفیسر ابو مسعود علوی	۲۱	۲
☆	قرآن کی نظر میں مسجد کا کردار	فدا حسین بخاری	۱۹	۴'۳
☆	محکمات قرآنی اور اقبال	علی ذو علم	۱۵	۳
☆	تفسیر و تاویل قرآن	مجلس تفسیر القرآن	۳۱	۴'۳

عنوان مقالہ	مقالہ نگار	کل صفحات	شمارہ نمبر
☆ سورہ بنی اسرائیل کے اہم موضوعات	ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک	۱۵	۳
☆ عصر رسول میں تدوین قرآن	شیخ محسن علی نجفی	۳۶	۳،۴
☆ قرآنی تعلیمات کی عقلی بنیادیں	ثاقب اکبر	۱۰	۳
☆ اعجاز قرآن	حسنین گردیزی	۲۴	۳،۴
☆ داستان یوسف ۔ سبق آموز پہلو	پروفیسر ابو مسعود علوی	۱۶	۳،۴
☆ وحی کی حقیقت۔ ایک مطالعہ	محمد امین شہیدی	۲۰	۴
☆ وحی کی حقیقت۔ ایک جائزہ	ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک	۱۰	۴
☆ دل کی حقیقت۔ قرآن کی نظر میں	ثاقب اکبر	۱۱	۴

تعارف تفاسیر

☆ التفسیرات الاحمدیہ	ڈاکٹر محمد طفیل	۱۷	۱
☆ قدیم فقہی تفسیر احکام القرآن	ڈاکٹر محمد میاں صدیقی	۱۳	۲
☆ قرآن کریم کی بے نقط تفسیر سواطع الالہام	ڈاکٹر محمد طفیل	۱۲	۲
☆ تفسیر معارف قرآن	ڈاکٹر سعد صدیقی	۸	۳
☆ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ سیالکوٹی	ڈاکٹر محمد طفیل	۸	۴
☆ تفسیر عثمانی	ڈاکٹر زیتون بی بی	۱۷	۴

خدام القرآن

☆ تدبر قرآن کا کہنہ سال مدبر رخصت ہوا	ضرغام الطاف	۴	۲
☆ پیر محمد کرم شاہ	ضرغام الطاف	۳	۳
☆ آہ! قاری خوشی محمد الازہری	کوثر عباس حیدری	۴	۴

عنوان مقالہ	مقالہ نگار	کل صفحات	شمارہ نمبر

معجزہ قرآن

☆ قرآن کریم کا زندہ معجزہ
سید محمد حسین طباطبائی — علی عباس بخاری — ۱۹ — ۳

کتاب شناسی

☆ ناسخ و منسوخ — ادارہ — ۲۳ — ۲،۳

قرآنی ادارے

☆ قرآن پروجیکٹر شو — ادارہ — ۳ — ۱
☆ قرآن آسان تحریک — سید فدا حسین بخاری — ۳ — ۲
☆ قرآن انسٹیٹیوٹ — محمد بلال — ۳ — ۳
☆ اسلامک ریسرچ اکیڈمی — مزمل حسین سید — ۲ — ۴

قرآن اور کمپوٹر

☆ انٹر نیٹ پر قرآنی مواد — دی اکیڈمی کمپیوٹرز — ۳ — ۱
☆ انٹر نیٹ پر قرآنی معارف — دی اکیڈمی کمپیوٹرز — ۴ — ۲
☆ قرآنی سوفٹ ویرز کا تعارف — سید امتیاز علی — ۳ — ۳
☆ قرآنی سوفٹ ویر "ھدی" — سید امتیاز علی — ۷ — ۴

قارئین کے خطوط

☆ جناب حافظ سجاد تترالوی چکوال سے لکھتے ہیں:

سہ ماہی المیزان کا نیا شمارہ موصول ہوا۔ آپ المیزان کے لیے جس قدر محنت کر رہے ہیں اور اس کو جس علمی معیار پر لے آرہے ہیں موجودہ شمارہ سے اس کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس دفعہ ترتیب و تدوین کا کام بھی بڑی عمدگی سے ہوا ہے اور قرآنی آیات پر اعراب کا کام بھی کیا گیا۔ تمام مقالات اعلیٰ تحقیقی معیار پیش کرتے ہیں اور معلومات افزا ہیں۔ خصوصاً مجلس تفسیر قرآن کا مرتب کردہ مقالہ "تفسیر و تاویل قرآن" شیخ محسن علی نجفی کا مقالہ "عصر رسولؐ میں تدوین قرآن" اور ڈاکٹر صدیقی کا مقالہ "تفسیر معارف قرآن" سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ کتابت و کمپوزنگ کی چند غلطیاں در آئی ہیں۔ امید ہے آئندہ اشاعت میں اس پر بھی توجہ دیں گے۔

☆ جناب ظفر الاسلام اصلاحی سیکرٹری ادارہ علوم قرآن علی گڑھ ہندوستان سے لکھتے ہیں:

ششماہی علوم القرآن کے بعد اردو میں یہ دوسرا مجلّہ ہے جو قرآنیات کے ساتھ مختص ہے' اس لحاظ سے یہ قابل قدر ہے اور آپ حضرات کی کوشش لائق ستائش ہے۔ خدا کرے اس کا معیار نہ صرف باقی رہے بلکہ مزید بلند و بہتر ہو جائے۔ مجلّہ کے نام سے اس کا اختصاص ظاہر ہوتا تو یہ اور زیادہ قابل قدر و جاذب نظر ہوتا۔

☆ پروفیسر ظفر علی قریشی لاہور سے رقم طراز ہیں:

المیزان تو ماشاء اللہ اعلیٰ پایہ کا تحقیقی و علمی مجلّہ ہے آپ کا ادارہ اس کے اجراء پر لائق مبارکباد ہے۔

☆ عبدالستار غوری لاہور سے لکھتے ہیں:

ظاہری خوبصورتی اور معنوی مواد کی رفعت کا حسین امتزاج "المیزان" ملا۔ شیخ محسن علی

مجتبیٰ، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اور ثاقب اکبر کے مضامین میری خصوصی دلچسپی کے موضوعات ہیں۔ حافظ ڈاکٹر علم الھدیٰ (سید محمد حسین طباطبائی) واقعی اعجاز قرآن کی علمی تعبیر ہیں۔ بہت دلچسپ روداد ہے اور قابل تقلید نمونہ۔

☆ راجہ طاہر رضا جوہر آباد سے رقم طراز ہیں:

سہ ماہی المیزان گذشتہ دنوں ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ معارف قرآنی پر مشتمل محققین کے مقالہ جات اور دیگر مواد انتہائی مستند حوالہ جات کے ذریعہ 'ایسا مجلہ پہلی دفعہ دیکھا' خدائے تعالیٰ آپ برادران کی زندگیاں دراز فرمائے جنہوں نے اس مشکل دور میں کلمہ حق کو بلند رکھا ہوا ہے اور مسلمانان پاکستان کو قرآنی احکامات سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ وحدت واخوت کے عظیم رشتوں میں پرو رہے ہیں۔

☆ غلام حیدر نظامی سکردو منٹھو (کھرمنگ) سے لکھتے ہیں:

المیزان کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا اور تعریفی خط لکھنے پر مجبور ہوا۔ اگر تعریف نہ کروں تو نامناسب ہوگا۔ ہر مضمون اپنی جگہ قابل ستائش ہے۔ البتہ بعض مضامین کے عنوان میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اگلا شمارہ ملنے پر تفصیلی خط ارسال کروں گا۔

☆ پروفیسر بشیر احمد گورنمنٹ ڈگری کالج مٹیاری ضلع حیدر آباد سے رقم طراز ہیں:

المیزان ہمیں ارسال کیجئے تاکہ ہمارے کالج کے پروفیسر حضرات اور طلباء وطالبات اس سے استفادہ کریں۔

☆ میانوالی سے جواد حسین نقوی (ایم اے بی-ایڈ) لکھتے ہیں:

آپ کا مجلہ المیزان دیکھنے کا موقع ملا۔ مجلہ موجودہ دور کی ضرورت کے مطابق ہے۔ آپ نے قرآن پر تحقیقی رسالہ شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر لیا ہے۔

قرآن سے اس دور میں واقفیت کرانا اور علوم قرآن کی ترویج پر کام کرنا بہت بڑے جہاد کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب کرے۔

☆ سید علی اکبر رضوی کراچی سے لکھتے ہیں:

میں آپ حضرات کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اس دور ابتلا میں آپ

حضرات اتنا مشکل کام سر انجام دے رہے ہیں۔ اتفاق دیکھئے کہ اس وقت عربی زبان کے اسکالر جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انڈیا سے ہے تشریف فرما تھے۔ انہیں "المیزان" اتنا پسند آیا کہ چند مضامین کی فوٹو کاپی ان کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

☆ جناب علامہ سید ریاض حسین نجفی پرنسپل جامعتہ المنتظر لاہور رقم طراز ہیں:

رسالہ المیزان موصول ہوا۔ المیزان واقعاً المیزان ہے۔ آپ اور آپ کے رفقاء خدمت قرآن و دین میں مشغول ہیں۔ خداوند قدوس آپ کی توفیقات کو قبول فرمائے۔

☆ آغا عبدالحسن سرحدی فیصل آباد سے لکھتے ہیں:

معارف قرآن پر مشتمل موقر مجلّہ "المیزان" کا پہلا شمارہ باصرہ موصول ہوا۔ سبحان اللہ صوری و معنوی ہر لحاظ سے لائق تحسین اور قابل رشک ہے۔ اللہ پاک آپ کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

☆ سید اخلاق حسین جعفری سوہاوہ شریف سے لکھتے ہیں:

"مجلّہ المیزان" انتہائی معیاری، پر مغز، معلومات سے پر قرآنی مجلّہ ہے۔ رسالہ دور حاضر کی ضرورتوں کے عین مطابق ہے۔ اس سے قبل قرآن فہمی پر اتنا لاثانی اور بے نظیر مجلّہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ میری طرف سے اس مجلّہ میں کام کرنے والے علماء اور سکالرز قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ علاوہ ازیں وہ سکالرز جن کے مضامین اس مجلّے میں شائع ہوئے ہیں، وہ بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ خداوند لم یزل ولا یزال آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

☆ جناب ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی علی گڑھ بھارت سے لکھتے ہیں:

تین ماہ قبل جب میں پاکستان آیا تھا تو آپ کا شمارہ المیزان ایک عزیز کے ہاں دیکھا تھا۔ اس قحط سالی کے دور میں اس طرح کے علمی مجلّے کا نکالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس مجلّے کو دوام عطا کرے۔

☆ پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر انچارج سیرت چیر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے لکھتے ہیں:

المیزان کی اشاعت بہت اچھا کام ہے۔ اہل علم خصوصاً قرآن مجید کے طلباء کیلئے یہ ایک مفید

چیز ہے۔ المیزان نے ایک بہت بڑے خلاء کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش پر اخوت ٹرسٹ مبارک باد کا مستحق ہے۔

☆ پروفیسر عبدالرشید رحمت چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور تحریر فرماتے ہیں:

جناب والا کی طرف سے گذشتہ ماہ المیزان موصول ہوا۔ اسکے ارسال کرنے پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا' البتہ شمارہ نمبر 1 نہ ملنے کا افسوس ہے۔

☆ جناب سعادت علی کرم ایجنسی سے لکھتے ہیں:

آپ کے مجلّے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ کے مدیر' معاونین اور مجلس مشاورت کے اراکین سب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میری یہ کوشش ہو گی کہ میں دیگر اہل علم کو بھی اس مفید مجلّے کی طرف راغب کروں۔

☆ پروفیسر محمد عبداللہ صالح شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج بھکر سے رقم طراز ہیں:

سہ ماہی "المیزان" علوم و معارف قرآنی پر پاکستان کا پہلا مجلّہ' ایک اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے۔ خدا اسے کامیاب فرمائے' شمارہ ۴ مطالعہ کیا۔ واقعاً علمی و تحقیقی مقالات ہیں۔ تاہم بعض امور توجہ طلب اور اصلاح طلب ہیں' مثلاً:

۱۔ اس کا سائز قدرے بڑا ہے اگر اضافی (حاشیہ) ختم کر دیں تو مناسب سائز ہو جائیگا۔

۲۔ کمپوزنگ کی اغلاط بھی نظر آتی ہیں بہتر پروف خوانی کی ضرورت ہے۔

۳۔ قرآنیات پر اہل علم سے مقالات لکھوائے جائیں اور جدید تحقیقات و معلومات سامنے لائی جائیں۔

۴۔ اعتدال و توازن بہترین راستہ ہے۔ اس کا دامن نہ چھوڑیے۔

ایک تحقیقی مقالہ بھیج رہا ہوں امید ہے اسے شائع کریں گے۔

☆☆.....☆☆☆☆.....☆☆

analysis is integrated, harmonized and unified with *wahy*. This intellectual process helps in development of a new epistemic tradition capable enough to meet the challenges of modernity and modernization.

REFERENCES

1- al-Ghazali in *al-Munqiz min al-Dalal*, tr. ed. by W. Montgomery Watt, *The Faith & Practice of Al-Ghazali*, London, George Allen & Unwin Ltd. 1967, P 54-55.

2- Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore, Ashraf Publications, 1977, P.124.

3- For details, please refer to Hans Jonas "Gnostician" in Paul Edwards, ed. *The Encyclopedia of Philosophy*, New York, Macmillan Publishing Co. Inc. 1972, Vol.III. PP 336-342.

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلاَّ عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ o

تحقیق مومنین کامیاب ہوئے وہ جو نماز میں عجز و انکساری کرتے ہیں اور جو لغو بات و بیہودگی سے بچتے ہیں اور جو زکوۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے (کیونکہ ان کے سلسلے میں) وہ لائق ملامت نہیں ہیں اور اس راستے سے انحراف کرنیوالا ہی تجاوز کرنے والا ہے۔ (المومنون ۱ ـ ۷)

Ijtihad is sometimes understood as a creation and product of the age of "rationalism" associated closely with the *mu'tazilah*. Indeed, in the western intellectual history scientism and rationalism developed as a reaction to the church authority and prevalent dogmatism of the theologians in that society. In the Islamic context, the Qur'_n and the Prophet *alayhey assalat wa assalm*, asked the believers to apply reason invariably in all matters. When appointing Mu'adh ibn Jabl as his governor in Yemen, south of Arabia, the Prophet (p.b.u.h.) asked him how would he judge the matters. Mu'adh responded by saying that he will follow al-Qur'_n and the Prophetic *sunnah*. The Prophet *alayhey assalat wa assalam* followed up on it by asking: if no clear instructions existed in the Qur'_n and the *sunnah* what would be done by him? Mu'adh responded by saying, *Ijtahida bi arra'y*, "I will exert my reason". The use of *ijtihad*, consequently, was not a matter of later development by the rationalists who invented this principle. The Prophet *alayhey assalat wa assalam*, himself advised use of *Ijtihad* as the process of creation of new knowledge in a variety of fields and areas.

Creation of new knowledge, modern solutions to modern problems, makes the *mujtahidin* a people who lead intellectually, morally and socially the rest of humanity. Needless to say that talent to lead intellectually further prepares the environment for the culture of knowledge. It also makes Muslims a forward looking moderate *ummah*. However, if the *ummah* does not follow the *sunnah*, the Prophetic command, to do *ijtihad*, the *ummah* itself and not Islam can be blamed for it.

Fourth, this culture of knowledge makes an effort to establish a hundred percent literate society. Since every Muslim, male and female has to exercise an ethical judgement on what is *halal* and what is *haram*, not only to learn and understand the permissible and the prohibited, but also to fulfil the obligations such as *salat* (prayer), *zakah* (the due), *saum* (fasting) and *hajj* (pilgrimage), every male and female is obliged to learn the basics.

And lastly, this culture of knowledge while assigning high priority to reason and rational approaches makes all scientific and literary knowledge subsidiary to the universally *verified* revealed knowledge *(wahy)*. The intellectual enterprise in Islam is deeply rooted in *wahy*, revealed knowledge and *ma'rifah*. Knowledge in final

Religious "belief" in Islam, consequently, is a matter of reaching a *conviction* after a thorough process of intellectual investigation. Even the Prophets of Allah, in the Qur'_n, are projected as persons who asked Allah to show them how things work in various space and time. The Qur'_n refers to a dialogue between Allah and Prophet Ibrahim *alayhey assalat wa assalam.* He asks Allah how is He going to re-assemble the particles of human bodies in the day of resurrection? His asking Allah to demonstrate did not, for sure, speak for his doubting the day of judgement. Allah *subhanahu wa ta'ala* honoured his desire and demonstrated to him how the human beings will be called again to life in the day of judgement. (al-Baqarah 2:260-261).

The characteristics of this culture of knowledge, to conclude, may be summarized in five points. First and foremost, Islam values knowledge as an on-going process of education, this also constitutes the basic difference between the human beings and other animate beings. While other animate beings do act in a co-ordinate manner or follow nature, human beings are to follow reason, *'aql* and knowledge, *'ilm.* All animate beings we observe follow nature as determined by Allah *subhanahu wa ta'ala* for them. Man, on the contrary, due to freedom of the will, has liberty to follow naturally the guidance *(wahy)* from Allah or to act otherwise.

Second, seeking knowledge has been made an ethical obligation on every Muslim male and female by the Qur'_n (*Taha* 20:114). In order to live an Islamic life every individual has to know for himself or herself what is ethically good or bad, therefore, the culture of knowledge, thus inculcated, assigns socially, a remarkably high place for a knowledgeable person against one who is just materially rich.

Third, the Qur'_n and the *sunnah,* both insist, on production of knowledge through the active process of *ijtihad* or systematic thinking. *Ijtihad* may not be confused with speculative reasoning. It is a process of creation of new knowledge founded firmly on the general guidelines, principles, maxims and illustrations contained in the Qur'_n and the *sunnah.* This is why only when *verified* knowledge *(nusus from al-Qur'_n and al-sunnah)* is available, no *ijtihad* is made. However, where no clear and specific instructions are available in the first two non-valuable principles of Islamic *shari'ah,* scholars *(fuqaha)* are urged to use systematic thinking and perform *ijtihad.*

you then consider". *al-An'am* 6:50. In *surah al-Ra'd* the same question is raised with more force "Say are the blind equal with those who see or the depth of darkness equal with light". *al-Ra'd* 13:16 also *Fatir* 35:19, *Ghafir* 40:58.

Those who have knowledge are, consequently, commissioned by the Qur'_n to disseminate and share their knowledge with others. "And before you We sent non but man to whom We granted revelation *(wahy);* if you realise this not, ask of those who possess the Message (Knowledge) *al-Nahl* 16:43.

The cultivation of deep thinking *(tafaqquh)*, serious thought *(tadabbur)*, to take cognizance *(tafakkur)* and comprehension *(tafh_m)* before one acts, is reflected in the Qur'_nic terms such as *tafakkur*, calling people to rationalize and admonish. "So Allah sets forth parables for men, in order that they may receive admonition" *Ibrahim* 14:25. The term *yatazakkarun* (admonition) has been coincidentally understood in two apparently opposite meaning. While the word *dhikr* literally means remembrance (of Allah) in the Qur'_n, when the Qur'_n refers to *ahl al-dhikr* it does not mean people who mechanically count names of Allah only verbally or "remember" Him while seeking spiritual ejaculation. It, on the other hand, means those who use their intelligence and rational faculty, who relate things in order to reach valid conclusions about Who is the Creator, Sustainer and Owner of this universe (refer to *al-Qasas* 28:47, 46,51; *al-Zumar* 39:27; *al-Dukhan* 44:58; *al-Nahl* 16:13).

Systematic thinking, use of *ijtihad* and other deductive and inductive scientific methods are not only encouraged but directed to be adopted by the Muslim community. Emphasizing importance of the *jihad* the Qur'_n instructs the believers to wage it on both fronts. It explicitly commands Muslims to divide themselves in two groups, while one may do *jihad* to eliminate injustice, exploitation, and corruption *(fitnah)* from the society, economy and polity of a people, the other should fight against ignorance, dogmatism, skepticism and blind following of customs and traditions. In *surah al-Tawbah* the Qur'_n instructs: "It is not for the Believers to go forth together if a contingent from every expedition go forth to devote themselves to deep study of *al-Din (Liyatafaqqahu fi al-Din)* and admonish people when they return to them, that thus they (may learn to guard themselves (against evil)." 9:122.

observance of double ethical standards lies essentially in absence of a culture of knowledge. Censoring the human tendency to follow ancestral traditions without evaluating them rationally, the Qur'_n reminds human beings to follow the path of reason in order to develop a unified personality and not to be schizophrenic in personal and social matters of importance. "Do you enjoin right conduct on the people and forget (to practice it) yourselves and yet you study scripture? Will you not understand? *(afala ta'qilun), al-Baqarah* 2:44. There is hardly one single page of the Qur'_n where this culture of knowledge and reason *('aql)* is not underscored.

Needless to say, the survival of a culture depends essentially on the kind of knowledge it produces. Intellectual leadership, however, is intrinsically linked with freedom of thought, pluralism and tolerance of ideas. The Qur'_n, in this respect, insists on *tadabbur,* deep thought and pondering, "Do they not then earnestly seek to understand the Qur'_n, or is that there are locks upon their hearts?" *Muhammad* 47:24. It also refers to *tafakkur,* thinking and intellectual investigation, "(we sent them) on with clear Signs and Scriptures and We have sent down unto thee the Message, that you may explain clearly to man what is sent for them, and that they may give thought *(yatafakkarun)*" *al-Nahl* 16:44. It indicates how important it is for the Qur'_n to see realization of the culture of knowledge and creation of new knowledge. Those who are knowledgeable are elevated and declared not equal to those who are not knowledgeable. "Are those equal, those who know and those who do not know....." *al-Zumur* 39:9.

Firm grounding in knowledge is underscored by the Qur'_n in many places: "And those who are firmly grounded in knowledge *(al-rasikhuna fi-al-'ilm)* say, "we believe in it, the whole of it is from our Lord...." *(al-Imran* 3:7). Deep knowledge brings personal conviction, humbleness and a logical understanding of the meaning and purpose of life in this world. On the other hand, those who do not master knowledge and may have hearts and minds yet they do not make use of these vital faculties to know what is ethically good or bad, are condemned by the Qur'_n. "They have hearts wherewith they understand not, eyes wherewith they see not, they are like cattle, nay more misguided for they are heedless *(al-ghafilun) al-A'raf* 7:179. These are compared else where by the Qur'_n with those blind to the Truth and Reality, "Can the blind be held equal to the seeing? Will

Nevertheless, *'aql* is not recognized as absolute and final arbiter due to the confines of the rational process and limitations of human reason. The Qur'_n does not encourage ascendence of reason to a point where it may ontologically defeat its very existence as a category. Inviting human beings to follow rational judgement, freedom of the will and volition the Qur'_n declares: "Behold in the creation of the heavens and the earth; in the alternation of the Night and the Day; in the sailing of ships through the Oceans; for the profit of mankind; in the rain which Allah sends down from the skies, and the life which He gives therewith to an earth that is dead; in the beasts of all kinds that He scatters through the earth; in the change of the winds and the clouds when they trail like their slaves between the sky and the earth (here) indeed are signs *(ayat)* for a people that are wise *(liqawmin ya'qilun). al-Baqarah* 2:164. Statements, similar to it, containing appeal to human wisdom, and reason are repeated frequently throughout the Qur'_n. These subsume man's judgmental cognitive activity based on unbiased use of knowledge in a rational process. "Thus does Allah make clear His signs *(ayat)* to you in order that you may understand *(La'allakuum ta'qilun). al-Baqarah* 2:242 (also refer to 2:44, 23:80, 16:67, 10:16, 2:73, 3:118, 30:24, 67:10 and 22:46).

The Culture and Production of Knowledge:

Renunciation of active and responsible use of reason and intellect by those who turn out agnostics or blind followers of their customs and traditions *(tabarruj al-jahiliyyah),* ideologies and systems is challenged frequently by the Qur'_n. A knowledge based culture where *'ilm* and *ma'rifah* (knowledge) constitute major difference between man and angels, even makes man superior to angels, through the symbolic bowing down of angels in front of Adam *(alayhey assalam, al-Baqarah* 2:30-34). A knowledge based world view thus excludes possibility of a mechanical and blind attitude of life for man, *per se,* a rational being. Referring to the final judgement in life hereafter the Qur'_n tells us that those who do not use their intelligence and reason, to find out what is ethically good or bad for them, prove less than human beings in their conduct. "They will further say: "Had we but listened or used our intelligence we should not now be among the Companions of the Blazing Fire". *al-Mulk* 67:10.

The genesis of internal conflict which manifests itself in

This is why the *verified* knowledge *('ilm al-yaqin)* and the Truth *(al-haqq)*, pro-actively, persuades its followers as well as the whole of humanity to make best use of cognitive, analytical and introspective faculties given by Allah *subhanahu wa ta'ala*. The Qur'_n makes every human being accountable for proper use of one's audition, vision and introspection, ".....for surely the hearing, the sight and the heart, all of those shall be questioned of." *al-Isra'* 17:36. That knowledge through audition *(sama')*, as well as observation and experimentation *(basarah)* and integration of these two sources in the heart and mind of a person is not only desirable but a matter of responsibility, is obvious from this Qur'_nic injunction. It also subsumes a relationship of complementarily between the *verified* knowledge *(wahy)* and the *verifiable* knowledge man gains through observation, audition and volitional rational process.

Knowledge, Reason and Rationality:

One of the major objectives of the *shari'ah*, as it resides in the Qur'_n and the *sunnah* is *(hifz al-'aql)* or preservation and promotion of rational attitude. Being able to exercise reason, is one of the basic requirements for observance of *shari'ah* in the life of a person. *Shari'ah* allows all such activities and actions which help in observing sanity, rationality and a reasonable attitude. Things which cause *futur* (lapse or distortion of reason) are censored and not allowed in the life of a Muslim. This is why all that causes *sukr* (intoxication, forgetfulness, or as it were veils reason) is made *haram* (prohibited) by Islam. The Islamic principle of preservation of reason *(hifz al-'aql)* is not particular to the Muslim *ummah*. This and several other basic principles of the *shari'ah* have equal importance and significance for a non-Muslim whether living in Sydney, Los Angeles, Istanbul, Tashkent or in Kuala Lumpur.

The Qur'_n uses not one but several terms to underscore application of reason in the decision making process by an individual at social, political, economic as well as legal levels in a society. It says: "Do they not travel through the land, so that their hearts (and minds) may thus learn wisdom *(ya'qiluna)* and their ears may thus learn to hear? Truly it is not the eyes that are blind, but the hearts which are in their breasts (and their minds). *al-Hajj* 22:46.

The persuasion to use *'aql*, reason in analysis of data collected through empirical tools is paramount throughout the Qur'_n.

mystical can not be required or be relevant for a meaningful sharing and communication of *ma'rifah* for the person of the Prophet nor for his followers.

The public role of a messenger is substantively different from the role of a philosopher, a mystic or one who experiences a gnostic knowledge. The Greek term *gnosis* (knowledge) in its pre-Christian understanding meant knowledge of otherwise hidden truth of total reality. Historically, it developed into a gnostic dualism that of man and world, and disunion of man and world or alienation. In a three - term configuration, man and God, in gnostic thought, appear in the essence together against the world, but are in fact separated by the world. *(3)*

The Prophet (p.b.u.h.) whatever of the truth and reality is known by him through revelation, has to communicate it to his people. He is not authorized to withhold, hide, or select from the knowledge given to him. Further he has to make knowledge plain and explicit *(tab'in, bayan,)* and not to transform it into esoteric, secretive, inexplicable experiential dimensions. Therefore, *ma'rifah* for sure is not gnostic or mystical knowledge in the Qur'_n. It, on the other hand, is what is visibly and rationally known or *ma'ruf*.

Creation of Knowledge:

Wahy as transcendent objective source and as the *verified* knowledge is not a theology or dogma with the Muslim mind. While human knowledge, based on the means used to acquire knowledge (sense experience, intellection, intuition, mystical experience and so on), is *verifiable* through basic assumptions of a system of thought. There still exists a qualitative difference between the *verifiable* and the *verified* knowledge. The former, if acquired through empirical experience, can be verified only through tools of empirical system. It is evident that physical or chemical qualities of an object can not be verifiable through a gnostic or mystical vision. While *wahy* being given by the Ultimate and the Omniscient is already verified before it is delivered to human beings or other animate beings. Emanating from the Ultimate source of knowledge and containing objective knowledge *wahy* is offered to mankind as transcendent wisdom and as the substance human mind may use to scrutinize, test and evaluate all other rational, observational and experiential knowledge.

of Islam in an existing system. Being epistemic in its very nature, this change leads to a re-definition of the very standards and criterian of success, development, progress, and quality of life. The new system is founded on *ma'ruf* (ethical good) of the individual as well as the society.

It is also systematic in the sense that it takes its own course in time to make a total shift from a pre-ethical to an ethical world order. Being ethical this change is not abrupt but systematic. It follows a logic of its own.

To begin with the Qur'_n defines the role of the agents of this social change, the messengers of Allah (p.b.u.t.) as educators, instructors, master trainers, purifiers, men of wisdom and task masters who initiate social change and cause transformation of the system. In its terse style the Qur'_n says: "It is He Who has sent amongst the unlettered a messenger from among themselves to rehearse to them His *(ayat)* signs, to purify them *(yuzakkihim)* and to instruct them in the Book and Wisdom, although they had been before in manifest error" *al-Jumu'ah* 62:2. In more or less similar words a prayer is reported in the Qur'_n from the great Messenger of Allah Syedena Ibrahim, *alaihey assalat wa assalam* when he was erecting, besides his son Isma'il *alayhey assalat wa assalam,* the foundations of the first ever built house of Allah, Ka'bah, in Makkah al-Mukarramah: "Our Lord send amongst them a messenger of their own who shall rehearse Thy Signs to them and instruct them with Scripture and Wisdom and purify them, for Thou art the Exalted in Might the Wise". *al-Baqarah* 2:19, (Also refer to *al-Imran* 3:164). The profile of a messenger of Allah in the Qur'_n, as it appears, is not of a mystic but a social reformer, a progressive and forward looking person, a manager of economic, legal, political and social issues, and an ideal leader in morality and public ethics.

The primary role of the Prophet (p.b.u.h.), indeed, is to communicate *("balligh ma unzila 'alayka min rabbika"* 5:67) as well as to purify, let the people grow in servitude, knowledge *(ilm* and *ma'rifah)* excellence and creative activities *(Ihs_n),* through an educative process in which the Messenger offers his own model conduct and behaviour as an immitatable character. Consequently, categories of knowledge which by their very nature are not communicable, highly personal and inexplicable and gnostic or

his own words. After using several similies he refers to this experience as a matter of immediate personal, existential experience *(dhauq)*, taste, "It became clear to me, however, that what is most distinctive of mysticism is something which cannot be apprehended by study, but only by immediate experience (*dhauq* - literally tasting), by ecstasy and by a moral change." *(1)* The authenticity of mystic experience, consequently, depends on one's inner feelings and as such can not be confirmed and verified through an objective criterion.

The mystic, irrespective of the space and time, consciously seeks a gnostic and spiritual union with what he regards the Ultimate Reality or Truth. A Prophet, on the other hand, does not seek nor struggle to achieve a spiritual or intellectual union with the Ultimate. He is not concerned about climax of his spiritual journey into a state of total annihilation of his self, unization with the Holy or the Sacred nor an enlightenment of the mind where "I" and "thou" loose their differentiation. Referring to a mystic, Abdul Quddus of Gangoh, Iqbal (d. 1938) quotes from him "Muhammad of Arabia ascended the highest Heaven and returned. I swear by God that if I had, reached that point, I should never have returned." *(2)* Here one can see the difference between the nature of mystical and the Prophetic experience. While the later is objective, the former is essentially personal and subjective. Second the purpose and objective of the mystical experience and knowledge is essentially the deliverance of the individual self, personal enlightenment, and fulfillment. While the purpose of revelatory knowledge is individual as well as institutional upliftment *(Ihsan)*, purification *(tazkiyah)*, and correction *(Islah)* of society and state. It addresses itself to a qualitative social change *(tazkiyah wal Islah)* through a process of integration of empirical and revealed knowledge *(aslamat al-ma'rifah)* as well as the human society.

While the mystical knowledge focuses on personal enlightenment (of the soul or the mind), the purpose and objective of *wahy* is an institutional, *systematic* and *systemic* change. The knowledge imparted through *wahy* offers an epistemic shift, a new world view, a fresh vision of the future.

The social change, thus, originating in the culture of knowledge envisions a total transformation of the system. It is not a matter of partial modification or adaptation of certain ethical teachings

(part) of that wisdom (*hikmah*) which your Lord has sent on thee (O Muhammad). ....." *al-Isr_* 17:39. Also in surah *al-A'raf* "And, We sent *wahy* to Mosses saying: Throw your staff and Lo! is swallowed up their lying show" 7:117.

This objectivity of *wahy,* its source and point of origination being external, and not subject to volition and personal exertion, on the part of the Prophets of Allah *subhanahu wa ta'ala,* is stressed repeatedly by the Qur'_n. Towards the end of surah *al-A'raf,* an *ayah* illustrates it further, it says: "If you bring them not a verse they say, "why have you not got it together;" say: "I but follow what is revealed to me *(ma yuh_ ilaiyyah)* from my Lord (*min Rabbi*) this (al-Qur'_n) is lights (*basair*) from your Lord and Guidance (*huda*) and Mercy (*rahmah*) for any who has conviction (*Iman*). When the Qur'_n is read listen to it with attention and pay heed, that you may receive Mercy" 7:203-204. Here and in many other places such as *al-An'am* 6:19; and 106; *Hud* 11:36; *al-Kahf* 18:27; *al-Ankabut* 29:45; *al-Zumar* 39:65; *Yunus* 10:15 and 109, *Taha* 20:13 and 38; *al-Ahzab* 33:2) to mention only a few, the Qur'_n makes it clear that revelation (*wahy*) is not inspiration or subjective feelings of the Messengers of Allah *subhanahu wa ta'ala.* Neither Ibrahim (p.b.u.h.) nor Musa (p.b.u.h.) or Esa (p.b.u.h.) nor the final messenger of Allah *subhanahu wa ta'ala* formulated, composed or wrote a single statement to be attributed as *wahy.* Even in situations which demanded an immediate response or a statement from the Prophet (p.b.u.h.) to correct a situation he could not, from his own, make a declaration. This was exactly the situation when his own household was blamed by the hypocrates (*munafiqun*) in al-Madinah. He did not of his own come up with a statement. Though it would have taken no more than a few seconds to simply state that "Your Lord denounces all these rumours". He waited for several weeks till the revelation came in surah *al-Nur* 24:11-12.

Wahy, in final analysis, in the Qur'_n, remains the most authentic and verified objective source of knowledge. It should not be confused with what is known as mystical experience or gnostic knowledge. A mystic by definition seeks and develops a special personal relationship with, whatever for him exists as, the Ultimate Reality. The intimate, intellectual, spiritual, existential or gnostic relationship, thus created, is so personal and subjective that no words can express it. Even a jurist, philosopher, and mystic like Abu Hamid al-Ghazali (1058-1111) can not translate his mystical encounters into

and discover the purpose and message of the *ayat*, signs of Allah, spread in nature, in human existence and in history. It also informs human beings about the realm of the *ghayb*, facts of the matter, like *al-akhirah* (the life hereafter), the day of reckoning (*yaum al-qiyamah or yaum al-din*), the *Rububiyyah* and the *Hakimiyyah* and the *Qudrah* of Allah *subhanahu wa ta'ala* as well as His authority to allow ethical reward and punishment, human being will earn in the life hereafter as a consequence of their wilful and volitional activities in this world.

The broad categories of knowledge, *(wahy* or *al-ma'rifah)* revealed as well as the experiential knowledge acquired through an interaction of human reason *(aql, fikr, qalb)* do not include the knowledge or the capacity to know and grasp the realm of *ghayb* which only Allah *subhanahu wa ta'ala* knows. While revelatory knowledge (*'ilm* of *shari'ah)* consists of *wahy* in its two explicit forms (the Qur'_n and the *sunnah)*, *tafsir, hadith, ijtihad* and *fiqh,* experiential knowledge includes study and examination of *ayat* (signs of Allah in the universe and human life), empirical, rational, and logical and scientific knowledge.

To benefit, acquire, and apply these two major categories of knowledge, is, however, subject to the freedom of the will and human volition *(Ikhtiyar wa al-Kasab).* This exercise also makes knowledge an ethical category. Consequently, its acquisition, proper understanding and application in guiding life becomes part of *Ibadah* while its rejection and denial becomes an act of *dalalah,* or volitional ignorance.

The Subjective and Objective Knowledge:

Rational knowledge acquired through a personal intellectual encounter is one authentic source of information and education for man. Nevertheless, in final analysis, it remains personal and subjective. Revelation (*wahy*), on the other hand, is an objective source of knowledge. The Qur'_n tells us that *wahy* is neither a result of meditation, nor of reflection, or of inspiration. It, on the other hand, is sent by Allah *subhanahu wa ta'ala* without any effort on the part of its recipient (the Prophet). Even in situations when a Prophet may feel urgency of revelation it may take its own course in time. Thanks to its objectivity, a Prophet can not expedite the descent of revelation, nor delay or suppress it. The Qur'_n refers to this objective dimension of *wahy* in several places, for example, "This is

Classification of Knowledge: The Apparent and the Real:

While declaring that Allah alone has the knowledge of what is empirically visible and what exists in reality, though may not be empirically verifiable, the Qur'_n differentiates between the immediate and the ultimate knowledge. It says: "He it is Who created the heavens and the earth in truth. In that day when He said: Be it is. His word is the truth and His will be the sovereignty on the day when the trumpet is blown. Knower of the invisible (*ghayb*) and the visible (*al-shahadah*). He is the Wise, the Aware" *al-An'am* 6:73. Elsewhere the same is mentioned in a different context. ".....and you will be brought back to the Knower of the invisible and the visible and He will tell you what you used to do". *al-Tawbah* 9:105. This quality of the knowledge of Allah subhanahu wa ta'ala is also mentioned in around twelve other places in the Qur'_n such as 13:9, 23:92, 32:6, 34:3, 35:38, 39:46; 59:22, 62:8, 63:18, and 72:26.

The visible world (*_lam ashshadah*) refers to the world of experience, observation and experimentation. Therefore, for example, when I claim to know honesty, truth or conceit of a person, it is based on my experience and dealing with him. Nevertheless my knowledge of the *shuhud*, (verifiable phenomenon), only refers to my own empirical experience and existence, (as one who wills, experiences, observes, and feels). This by no means makes my knowledge total, conclusive, and absolute. When, for example, I observe a person in a *masjid* offering his prayer with concentration and humbleness, all I observes is, his devotion in the ritual. But my knowledge of his devotion does not indicate, nor prove, whether his purpose and intention is to show his piety to others or to please Allah *subhanahu wa ta'ala* alone. The limits of observational knowledge also speak of the finitude and immediacy of human knowledge while the ultimacy of knowledge as well as omniscience can only be attributed to Allah *subhanahu wa ta'ala*.

The Category of *al-Ghayb:*

The knowledge of what is not observable or empirically verifiable. (*al-ghayb*), is another category of knowledge which shows the difference between human knowledge and the knowledge of Allah *subhanahu wa ta'ala*. Wahy or revelation from Allah *subhanahu wa ta'ala* plays a two-fold function. It motivates and persuades human beings to search, understand, and analyze the observable phenomena

animates, by Allah *subhanahu wa ta'ala*. "And He taught (*'allama*) Adam all the names, then showed them to the angels saying: Inform Me of the names of these if you are truthful. They said: Be Glorified we have no knowledge saving that which You have taught us. Lo! Thou only Thou art the Knower, the Wise". *al-Baqarah* 2:30-31. The same is referred to in *al-Rahman, ayah* two where it says, "The Beneficent has made the Qur'_n known (*'allama al-Qur'_n*) 55:2; At another place it says: "Teaches man that which he knew not" *al-Alaq* 96:5.

The Qur'_n also refers to knowledge given to other animate beings by Allah *subhanahu wa ta'ala*. Specifically it talks about the honey bee. "And Your Lord taught the Bee *(awha)* to build its Cells in hills, on trees and in (man's) habitations; Then to eat of all the produce (of the earth and follow the way of Your Lord made smooth, there issues from within their bodies a drink of varying colors wherein is healing for men. Verily in this is a sign for those who give thought" *al-Nahl* 16:68-69. Anyone who investigates in how the honey bee engineers its honey comb, the size and shape of cells she makes and the process of making honey for the benefit of mankind shall realize the truth of the above statement. It can not be a matter of trial and error which teaches the Bee to act in this manner all over the world. It has to be the guidance *(hidayah)* through revelation, *wahy* which teaches her how to be beneficial for the human beings, and to serve Allah by serving human beings.

Needless to say that *tawhid*, the Oneness and Uniqueness of Allah *subhanahu wa ta'ala* is also fully reflected in His attribute (*sif_h*) of *al-'ilm*, transcendent knowledge. The quantum, the quality and level as well as the profoundness and depth of His knowledge is not comparable with knowledge of man due to man's finitude, temporality and being in the process of becoming. Human intellect, reason, and logic only defeats its rational basis when it claims to be total, perfect, ultimate and infinite. To claim what is rationally established as finite, as the ultimate, does not seem to be a rational claim either.

Having touched briefly on certain preliminary aspects of the meaning of the term knowledge we would like to have a quick look on some aspects of classification of knowledge in the Qur'_n and try to understand its relevance with the human history.

The meaning of the term Knowledge in the Qur'_n:

The term knowledge or *al-'ilm* is one of the basic categories in the Qur'_n. It refers, first and foremost, to Allah *subhanahu wa ta'ala's* own knowledge "Allah is *aware* that you were deceiving yourselves....." *al-Baqarah*, 2:30; in *surah al-Maidah*, Prophet Jesus (peace be upon him) is quoted to say ".....Thou *knowst* what is in my mind and I know not what is in Thy mind. Lo Thou only Thou art the *Knower* of Things Hidden." 5:116; Elsewhere the Qur'_n says: "Are they then unaware that Allah *knows* that which they keep hidden and what they proclaim" 2:77; It further asserts: "He is Allah in the heaven and in the earth. He *knows* both your secret and your utterances and He knows what you earn" *al-An'am* 6:3.

Over one hundred and fifty places in the Qur'_n refer to the vast, ultimate and total knowledge of Allah *subhanahu wa ta'ala* of the objects, events, actions, history and the future. "He is Who created the heaven and the earth in truth. In that day when He said: Be! it is. His word is the Truth and His will be the Sovereignty on the day when the trumpet is blown. Knower of the invisible and the visible. He is the Wise, the Aware". *al-An'am* 6:73; "He is the Knower of the invisible and visible, the Great, the High Exalted" *al-Ra'd* 13:9; "He is Allah, than Whom there is no other God, the Knower of the invisible and the visible. He is the Beneficent, the Merciful". *al-Hashr* 59:22. The qualitative and quantitative uniqueness and transcendence of Allah's Knowledge, in these and other places in the Qur'_n, appears imposing, clear and dominant.

Knowledge (*'ilm*) is a major attribute (*sifah*) of Allah *subhanahu wa ta'ala*. "..... and trust in Allah lo! He is the Hearer, the Knower" *al-Anfal* 8:61. The Omniscience of Allah *subhanahu wa ta'ala,* again and again, in the Qur'_n, is focussed as one of His major attribute.

It is His transcendence in knowledge, as such, which makes Him Unique in His grip over information, Control over it and His Capacity to create it and use it as the most definite, true, and valid means, *(wahy)*, to guide mankind, the best *(ahsan)* of His creations, to the right path *(sirat al-mustaqim)*.

The Qur'_n also uses this term to refer to specific, defined, limited and specialized knowledge given to man as well as to the other

This is what makes Noorsi, Qutb and Maududi *Imams* of *tafsir* in their own age.

In this century *Ustaz Imam* Bai'uzzaman Saeed Noorsi tried to understand the relevance of the Qur'_n and its message with the challenges of materialism, secularism, and cultural colonialism faced by the Muslim *ummah* in Turkey. A similar effort was made by *Ustaz Imam* Abul A'la Maududi in the Pakistan sub-continent. While Ustaz Sayyed Qutb *Shahid* tried to liberate the Arabic speaking world from the spell of Arab nationalism and westernization, while focusing on the culture of knowledge and crystallization of the message of the Qur'_n. It is interesting to note that all three had to pay a price for their services to the Qur'_n and the *ummah*, either by being forced to leave their motherland or be in prison for extended period or by being executed. Nevertheless, their message based on the Qur'_n could not be suppressed. It did help in transformation of the mind, the soul, and the body of the Muslim *ummah*. A new generation of the youth rightly called by the Sayyeds (Sayyed Qutb and Sayyed Maududi) as "the Qur'_nic generation" has been able to discover its identity in the shade of the Qur'_n. This new generation is actively involved in the process of Islamic reawakening, in countries of its origin as well as all over the world. Today there are hardly any Muslim youth who are not aware of the names of these three revivalists of this century. The *Rasail al-Nur* of *Ustaz* Bai'uzzaman, *The Tafhimul Qur'_n* of Ustaz Maududi and the *Fizilal al-Qur'_n* of *Ustaz* Qutb are among the best sellers and, major resources, when it comes to know Islam and the Qur'_n. These works in part or full have also been translated in major languages of the world including the Turkish language.

This paper makes an effort to concentrate on one small aspect of the vast dimensions of the Qur'_n and its sciences, namely, the culture of knowledge. While religion, in the west as well as in the east has been understood as a set of rituals, ceremonies, devotions, belief and dogma, consequently, an extra rational, if not anti-rational enterprise. The culture of knowledge, the Qur'_n creates is essentially anti-dogmatic and anti-skeptic in its nature. Its world view, vision of man, and perspective on the end of history is neither idealistic, nor materialistic. The new mind thus created is *modern* in its scientific thinking yet it does not subscribe to a relativistic skeptic or agnostic outlook.

The revivalist efforts of a human chain of scholars, statesman, on this count, can be traced back to early period of the *tabi'in*. The person of activists like Umar bin 'Abdul Aziz (90-101 H.), in the first century of Islamic history, is a clear evidence to this fact. Similarly, the later efforts, whether those of the jurists like *Imams* Abu Hanifa (d. 150 H.), Malik (d. 179 H.), Shafi (d. 204 H), Ibn Hanbal (d. 214 H.), or Ibn Taymiyyah (d. 728 H.) or those of the thinkers like al-Ghazali (d. 505 H.), or the fore-runners of modern Islamic movements like Imam Shah Waliullah of Delhi (1702-1762), whether categorized as modernists, traditionalists, revivalists, even those blamed for apologetic approach, invariably focus on going back to the Qur'_n and the *sunnah*. Their common cause and call, in order to build a new future for the Muslim *ummah* has been to go back to the Qur'_n and the *sunnah*.

Unfortunately those unaware of the dynamics of social change and the futuristic approach of the Qur'_n mistake such movements, to go back to the Qur'_n, as going back to a simpler society from a more complex social situation. They subsume the Qur'_nic message had its conceptual roots in the culture and civilization of the Seventh century common era, and to translate the Qur'_nic teachings in contemporary social policy, one has to adopt customs and ways of a society in which it was originally revealed. The Qur'_n and the *sunnah*, on the contrary, take a progressive and developmental approach in social, political, economic and legal matters. Their universal principles, illustrations and modalities offer a scientific basis for new legislation, interpretation and applications.

The inspiration of this developmental, innovative approach, calling for going back to the Qur'_n and the *sunnah*, resides in a methodological step known as *ijtihad*. Going back to the Qur'_n and the *sunnah* means, in practical terms, to review, revise, and in many situations to completely disregard the earlier interpretation of the Qur'_n, the *sunnah*, the *fiqh* (Legal philosophy as well as law) and *tarikh* (history).

Confining their enterprise to the Qur'_nic exegesis *(tafsir)* the *mujtahidin* in *tafsir* try, throughout these centuries of intellectual development, to think afresh on the Qur'_nic revelation *(wahy)* as it were descending on them in their own historic context. Similarly they try to understand the *sunnah* in their own contemporary social reality.

THE QUR'AN AND THE CULTURE OF KNOWLEDGE

Prof. Dr. Anis Ahmad

Dr. Ahmad is senior professor of comparative religion in the Faculty of Usul al Din, I.I.U.I. and Founder Director General of the Dawah Academy, International Islamic University, Islamabad, Pakistan. He has served as President of the Association of Muslim Social Scientists, U.S.A., Vice President, International Islamic University, Islamabad and Dean, Faculty of Islamic Revealed Knowledge and Human Sciences, International Islamic University, Malaysia. He was also Dean, Faculty of Usul al-Din, International Islamic University, Islamabad. He has contributed research articles in academic journals and Encyclopedias. His latest book is Women and Social Justice: An Islamic Paradigm, Islamabad, 1996.

Though the Fifteenth Century of Islam is often called the century of the Qur'_n, thanks to the contribution made by Ustaz Imam Bai'uzzaman Saeed Noorsi (1873-1960), Ustaz Imam Sayyed Abul A'la Maududi (1903-1973) and by Ustaz Sayyed Qutb Shahid (1906-1966) in three major cultural centers of Islamic revival and re-awakening, namely, Turkey, Pakistan and Egypt. Nevertheless, in a sense every century of Islam has been, a century of the Qur'_n. The dynamic message, universal approach, and unique global outlook of the Qur'_n has played the key role in any and every effort to re-juvenate, revive and invigorate the pristine Islamic ethos, tradition and the way of life. To meet the up-coming challenges of the modernity, the Muslim mind has always looked into the eternal guidance and principles couched in the Qur'_n and the *sunnah*.

المیزان کے اگلے شمارے کے مقالات

ایک نظر میں

☆ قرآن اور فطری معرفت

☆ قرآن میں نقطے اور حرکات

☆ آیہ نفر تحقیق کے آئینے میں

☆ قرآن اور مستشرقین

☆ قرآن کی نظر میں سنت کی حیثیت

☆ قصص قرآن

☆ سورۂ یٰسین کی منتخب آیات کی تفسیر

☆ کیا قرآن فہمی آسان ہے؟

☆ تاویل قرآن و راسخون فی العلم

اس کے علاوہ دیگر کئی تحقیقاتی موضوعات پر عالم اسلام کے نامور محققین کے رشحات قلم سے مزین مقالات پڑھیے۔۔ المیزان پڑھیے۔

خریداری فارم

قارئین کرام !

اگر آپ سہ ماہی "المیزان" کے باقاعدہ خریدار بننا چاہتے ہیں تو یہ فارم پر کیجئے اور ایک سال کے لئے مبلغ -/120 روپے بصورت بنک ڈرافٹ / منی آرڈر "اخوت ٹرسٹ" کے نام ارسال کیجئے- انشاءاللہ ہر شمارہ آپ تک بذریعہ ڈاک پہنچ جایا کرے گا-

"ادارہ"

اخوت ٹرسٹ A-4 اے ٹی ایس سنٹر، فضل الحق روڈ، بلیو ایریا، اسلام آباد

فون نمبر : 201340 - 051-815457 فیکس : 051-201159

E. Mail : ukhuwat@yahoo.com

سہ ماہی
المیزان
اسلام آباد

اخوت ٹرسٹ
4A-اے ٹی ایس سینٹر
فضل الحق روڈ بلیو ایریا
اسلام آباد

ممبرشپ فارم

نام ______ ولدیت ______

پتہ ______

______

تعلیم ______ پیشہ ______

فون ______ فیکس ______

براہ کرم ______ سال کے لئے پرچہ میرے نام جاری کر دیجئے۔

دستخط

دفتری استعمال کے لئے

خریداری نمبر ______ تعارف کنندہ ______

تاریخ اجراء ______ تاریخ اختتام ______

دستخط سرکولیشن منیجر

قَالَ الْاِمَامُ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ ؑ فی وداع رمضان

السلام عَلَيْكَ يا شَهْرَ اللهِ الأكبرِ و يا عِيْدَ اَوْلِيَآئِه ؛ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَكْرَمَ مَصْحُوْبٍ مِنَ الأوقَاتِ وَ يَا خَيْرَ شهرٍ فِى الْاَيَّام وَالسَّاعَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهْرٍ قَرُبَتْ فيه الآمَالُ وَ نُشِرَتْ فِيْهِ الْاَعْمَالُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ قَرِيْنٍ جَلَّ قَدْرُهُ مَوْجُوْداً وَ اَفْجَعَ فَقْدُهُ مَفْقُوْداً وَ مَرْجُوٍّ اَلَمَ فِرَاقُهُ ؛ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ اَلِيفٍ اٰنَسَ مُقْبِلاً فَسَرَّ وَ اَوحَشَ مُنْقَضِياً فَمَضَّ

امام زین العابدینؑ کی دعائے وداع رمضان سے اقتباس: فرماتے ہیں:

اے اللہ کے بزرگ ترین مہینے تجھ پر سلام۔ اے دوستان خدا کی عید تجھ پر سلام۔ اے اوقات میں بہترین رفیق اور دنوں اور ساعتوں میں بہترین مہینے تجھ پر سلام۔ اے وہ مہینے جس میں امیدیں بر آتی ہیں اور اعمال کی فراوانی ہوتی ہے' تجھ پر سلام اے وہ ہم نشین کہ جو موجود ہو تو اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے اور نہ ہونے پر بڑا دکھ ہوتا ہے اور اے وہ سر چشمہ امید و رجاء جس کی جدائی الم انگیز ہے تجھ پر سلام۔ اے وہ ہمدم جو انس و دل بستگی کا سامان لئے ہوئے آیا تو شادمانی کا سبب ہوا اور واپس گیا تو وحشت بڑھا کر غمگین بنا گیا' تجھ پر سلام۔

(الصحیفۃ السجادیہ از دعائے وداع رمضان)

Pakistan's first Journal on [illegible] knowledge and sciences

Almeezan

Islamabad